







شام کا وقت تھا۔ موسمِ اداوار بارش ہو رہی تھی۔ اور ہوا سن سن کر رہی تھی۔ ایسے
 میں کیسے حوصلہ تھا۔ کہ وہ گھر سے باہر نکلا کسی دشوار گزار راستہ کا سفر کرے۔ ہر چار عروہ
 جیسے قیامت بپا تھی۔ درختوں کی شاخیں گر رہی تھیں۔ اُن سے کوڑا کی ہتینا کھینچیں
 آ رہی تھیں۔ مکانات کی چھتیں زمین سے ہم آغوش ہو رہی تھیں۔ کھلی رہ رہ کر چمکتی تھیں۔
 اور بادل رہ رہ کر گر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کھلی بادلوں سے آگے چوں کھس
 رہی تھی۔ نہایت ہی خوفناک وقت تھا۔ پانی کے ساتھ ساتھ ہی پتھر بھی بکثرت پڑ رہے
 تھے۔ راستہ میں کوئی کہاں کہرا ہوا کوئی واسے پناہ نہیں تھی۔
 ایسے وقت میں مزید زحمت رہت میں تھے۔ تن تنہا۔ پانی اور ادویوں کی تاب نہ لا کر
 وہ جلدی جلدی قدم بڑھانے لگے۔ مگر چلتے چلتے یکایک پاؤں پھسل گیا۔ سخت چوڑائی
 اُہم وہ نہ لگے۔ چلتے ہی گئے۔ اُن کی چادر میلے تو ہوا سے لہرائی گئی۔ اس کے بعد اُڑنے
 اڑتے وہ ابک درخت کی شاخ سے اڑک گئے۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے درخت نے

اپنے سر پر پائی باندھ لی۔ اس وقت وہ درخت دو سو سے زائد درختوں کے درمیان ڈی حقیقت معلوم
ہونے لگا۔ ایک پانی کی سی قدر تھا۔ بجلی کی چمک میں کمی واقع ہوئی۔ ہر چار طرف اندھیرا چھا
گیا۔ اہل کوہات ہمیں سوجھائی دیتا تھا۔ نریندر ناتھ سوچنے لگے ایسے ہیں کہاں ہائیں؟
اُن کے دل پر ہیئت طاری ہو گئی۔ اس وقت اُن کے تار بجی میں انہیں آگے بڑھنے کا دھماکا
نہ تھا۔

سوخت وہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے
دیکھا ست در پر چل رہا ہے۔ اُس روشنی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کے دل میں دل میں
سردی سے سردی ہوئی۔ سوچنے لگے ایسی بارش میں کیا میں کسی طرح وہاں پہنچ سکتا ہوں
اگر پہنچ جاؤں۔ نویناہ مل سکتی ہے۔ ایسے برے وقت میں بھی کیا مجھے کوئی پناہ نہ دے گا؟
جس سے تھیں اس انسان کا گرت و سست و رخون ہے۔ وہ ضرور مجھے جگہ دے گا۔ اسی بھر کو
یہ وہ روشنی کی طرف چلے۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی کے پاس پہنچے۔ کچھ بجے گھر میں ایک
یراع اپنی مدرم روشنی سے بھلا رہا ہے۔ انہوں نے دروازہ میں دھکا مارا۔ دروازہ
نہ کھلا۔ دو چار بار کھٹکھٹانے پر کسی نے اندر سے آواز دی۔ کون ہے؟
نریندر ناتھ نے میں ایک گراہمہ افہوں کیا یہاں مجھے تھوڑی دیر کے لئے پناہ
مکئی ہے؟

گھر کے اندر سے آواز آئی۔ ”آئیے“
یہ کہتے کہتے دروازہ کھل گیا۔ اُس کے کھلتے ہی ہوا سے تھوڑی سی چراغ بھج گیا
نریندر ناتھ مکان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا۔ مکان دو منزلہ ہے۔ نریندر ناتھ
میں منزل میں گئے تھے۔ وہ کمرہ نہایت صاف و سنہرا تھا۔ گریسٹی کی چیزیں بچتر
ہندو تھیں۔ ایک بڑا سا فرش رکھا ہوا تھا۔ اور اُس میں چند سردی برتن تھے۔
اسی وقت اب سب سے نریندر ناتھ سے پوچھا۔ آپ کا نام کیا ہے؟

نریندر ناتھ نے نریندر ناتھ
وہ ضعیف شخص، ان کا نام سن کر کسی قدر چونک اٹھا۔ اور یہی عاجزانہ انداز

رام بھدر نے زیندر ناتھ کی بات سن کر تمام حالات مفصل طور پر سنانے کا ارادہ کیا مگر اس قدر درخواست کی کہ آپ پھر کسی روز شریف لائیے گا۔ میں تمام حالات آپ سے عرض کروں گا۔

زیندر ناتھ نے دیکھا رام بھدر آج کسی طرح کچھ کہنے کو تیار نہیں۔ اس لئے انہوں نے دوسرے دن آنے کا ارادہ کیا۔ اور اُنکے کمر چلے گئے۔

رام بھدر نے زیندر ناتھ کو اُسٹھے دیکھ کر عاجزانہ انداز سے کہا کہ کسی دن ضرور آئیگا۔
 زیندر ناتھ: ”بہت اچھا“

رام: ”غریب کی عرض نہ بھڑوئے گا!“

زیندر ناتھ: ”نہیں ضرور آؤں گا!“

باتوں باتوں میں بہت سا وقت گزر گیا۔ اسوقت بارش بند ہو چکی تھی۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ اور چاند نے صفحہ عالم پر اپنی جلوہ ریز شاعری کی چادر کھچادی تھی۔ رفتہ رفتہ آسمانے جلوہ گر ہونے لگے۔ زیندر ناتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

دوسرا باب

صبح شیل بالانے آکر رام بھدر سے پوچھا، ”رام بھدر اگل رات کو کون آیا تھا؟“
 رام بھدر شیل بالاک کی بات سن کر چونک اٹھا اور اصل حالات چھپا کر بولا: ”کوئی تو نہیں آیا تھا“

”جی! تمہارے بہن بن سئے۔ جو تھا آیا۔ موت قریب ہے۔ اس وقت بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا۔ دھکار بے تمہاری زندگی کو شیل بالاک گذشتہ رات کی تمام باتوں سے آگاہ تھی۔“
 رام بھدر کو یہ بات نہیں معلوم تھی۔ اس نے اس سے کہا: ”جھوٹ کیوں بولوں گا؟“
 شیل بالانے لال لال آنکھیں نکال کر کہا: ”بھروسہ بات!“

اگر تیرا رام بھدر کی ترسناک شش پر بس کے قریب تھی۔ مگر چہرہ سے صنفی سے کوئی آئینہ نظر نہیں آتے تھے۔ نہ پٹ پٹ پر جلانے لایا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر کوئی...

اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اب تک بھی وہ پانچ چھ کو سچل سکتے تھے۔ اپنی عمر ہو گئی تھی مگر پھر بھی وہ بیکار نہیں رہتے تھے رام بھدر کو اپنی جان بہت پیاری تھی۔ کوئی راہ گیر کہیں لائٹ مار کر سب کچھ چھین نہ لیا جائے۔ اس خوف سے وہ کہیں نہیں بیٹھتے تھے۔ رات کو رام بھدر برآمدہ میں سویا تھا۔ غواب میں دیکھا کہ شیل بالائے کھلا پیار ہی ہے کبھی دیکھا کہ شیل بالائے اس کے ساتھ کتنی ہی ہنسی۔ دل لگی اور چہل مذاق کی باتیں کر رہی ہے۔ اور وہ غور بھی اس کے ساتھ ساتھ ہنس رہا ہے۔ ہنستے ہنستے اس کا پیٹ بھٹ گیا۔ شیل بالائے ایاں بجایا کر اس کا منہ کھلا کر رہی تھی۔ اسی طرح رام بھدر تمام رات غواب دیکھتا رہا۔

رام بھدر میں ایک اور شب تھا۔ اور وہ یہ کہ وہ رات کو دہل پندہ چمچ پیلا کر اٹھا تھا۔ حقیر بڑا وقت وہ شیل بالائے کو آواز دیکر پوچھتا کہ تو سوئی یا نہیں۔ صبح کا تارا نکل آیا۔ تاکو کہاں ہے۔ کوئلے کہاں رکھ دیے اور حلیم معلوم نہیں کہاں ہے۔ ملتی نہیں۔ اس طرح کی باتیں کر کے وہ پھر لیٹ رہتا تھا۔ شیل بالائے بھی رام بھدر کی ان باتوں سے جاگ اٹھتی تھی۔ اور دو ایک باتوں کا جواب دیکر سو رہتی تھی۔ اور شیل بالائے سو رہتی تھی۔ یا جاگتے ہوئے بھی کوئی جواب دیا کرتی تھی۔ اس دن رام بھدر حقیقتہً ایک کھانسنے لگا تھا۔ سویرا کر دیا تھا۔ حقہ کی آواز جزدور سے گڑ گڑ کر آتی تھی۔ شیل بالائے اس سے چونک کر چپ چاپ منہ بیٹھ کر رہتی تھی۔ اور رام بھدر کی حرکات و سکنات کا تماشا دیکھ کر خود بخود ہنستی رہتی تھی۔

جو جو دن سب ماؤں کے مزید تذکرہ کی ضرورت نہیں رام بھدر شیل بالائے اس سے جب ناراض ہے۔ آج کسی طرح کھانا نہیں دیکھی۔ ہنسی دل لگی کا موقع نہیں ملے گا۔ اچھی طرح بات بھی نہیں کرے گی۔ سب سوچ کر وہ اوڈاس ہو جاتا تھا۔ شیل بالائے پھر کہا: رام بھدر! اتنا ڈکون آیا تھا؟ یہ کہہ کر وہ کسی قدم نہ کر سکا۔ رام بھدر شیل بالائے کی مسکراہٹ دیکھ کر ریشہ غلطی ہو گیا۔ دل ہی دل میں سوچا۔ مان کرٹ لگیا۔ بولا۔ کوئی تو نہیں آیا تھا۔ تمہارے پیٹ میں چھپے ہمیشہ قلاتا نہیں رہا کیا

کرتے ہیں۔
 شیل بالانے بھلا کر کہا۔ تم مجھے دودھ پینی کوئی ہی سمجھتے ہو۔
 رام بھدر نے دل ہی دل میں کہا۔ اگر تو ایسی ہوتی تو ہی بہتر تھا۔ اظہار بولا۔ زمیندار کا لڑکا۔

شیل بالانے کہاں کے زمیندار کا لڑکا؟
 رام بھدر نے اسی گاؤں کے۔
 شیل بالانے کیوں آئے تھے؟
 رام بھدر نے رات کو زبردست بارش ہوئی تھی نہ۔
 شیل بالانے ہاں۔ مگر کیوں؟

رام بھدر نے بارش میں کوئی ٹھکانا باگریاں آئے تھے۔
 شیل بالانے بہت چٹا۔ مگر پھر ایک دن آنے کے لئے کیوں کہہ گئے ہیں؟
 رام بھدر نے زمیندار کا تھکے سے ایک دن پھر آنے کی درخواست کی تھی۔ شیل بالانے
 یہ بھی سن لیا تھا مگر رام بھدر کو یہ نہیں معلوم ہوا تھا۔ اسی وجہ سے شیل بالانے بات منکر
 دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ شیل بالانے بغیر صاف صاف کہے ہوئے کسی طرح چھٹکارا
 نہیں۔ ہائے اکیلے بڑی ڈنٹ ہے۔ آج سے اب گھر میں کوئی بات چیت نہیں کرونگا
 یہ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ شیل بالانے رام بھدر کو خاموش دیکھ کر بولی۔ بول کیوں آئی کو
 کہہ گئے ہیں۔

رام بھدر نے دل ہی دل میں مستحکم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ خواہ کچھ ہی ہو شیل بالانے سے یہ بات
 نہیں بتاؤں گا۔ مگر اس کی حالت دیکھ کر نہ رہا گیا۔ بولا۔ ضروری کام ہے۔
 شیل بالانے پھر سوال کیا۔ کیا کام ہے؟

رام بھدر نے غصہ میں آکر کہا۔ تمام باتیں تمہیں بتاؤں؟
 شیل بالانے غصہ میں آکر بولی۔ سود فہ کہنا پڑیگا۔ ہزار دفعہ کہنا پڑیگا۔
 رام بھدر جاؤ۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

شیل بالائے ٹھٹھ ٹیڑھا کر کے کہا۔ اچھا دیکھو گی۔ آج تم تمکھیا کھاتے ہو۔ میں جاتی ہوں۔
 شیل بالائے چلے جانے کی دھمکی دی۔
 رام بھدر نے ڈر کر جلدی سے شیل بالاکا ہات پکڑ لیا۔ مگر شیل بالائے ہنسکا دیکر کہا۔
 بات چھوڑ دو میں تمہاری بات نہیں سنوں گی۔
 رام بھدر نے دیکھی جو کہ کہا۔ بھئی! شیل عصمتہ کیوں کرتی ہے۔ تم سے نہ کہوں گا
 تو کس سے کہوں گا؟ مہاسے ساتھ ذرا مذاق کر رہا تھا۔ اور کوئی بات نہیں۔
 شیل بالائے سوچا۔ رام بھدر رڈ گیا ہے۔ اب تمام باتیں بتا دیگا۔ بولی۔ اچھا! اب
 اس وقت رام بھدر نے شیل بالائے آہستہ آہستہ کیا کہا معلوم نہیں۔ شیل بالائے
 ہستے چلی گئی۔ رام بھدر بھی حقہ چلم لے کر مٹا کو بلانے کے لئے بیٹھ گیا بار بار حقہ پینا رام بھدر
 کے لئے بہت ضروری تھا۔

تیسرا باب

دوسری بار

نریندر ناتھ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے۔ چونکہ رام بھدر سے وعدہ کر گئے تھے۔ اس
 لئے وہ آئے رام بھدر۔ نریندر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مسترٹ آمیز لہجہ میں بولا۔
 ”آگئے؟ اچھا! سوا۔ مفلس کی بات یاد ہے؟ یہی سب کچھ ہے؟“
 نریندر ناتھ نے رام بھدر کو دیکھا۔ دُنیا میں بھی مفلس ہیں۔
 کچھ ہم رام بھدر نے نریندر ناتھ کی بات سُکر دانتوں تلے اپنی زبان دبائی۔ جی! کوئی
 ایسی بات بھی کرتا ہے۔ آپ لوگ بڑے آدمی ہوئے۔
 نریندر۔ تم نے میری بات نہیں سنی۔ دُنیا میں جسے جس چیز کی کمی ہے وہی مفلس ہے۔
 بڑے آدمیوں میں بھی مفلس ہے۔
 رام بھدر اس مرتبہ بھی نریندر ناتھ کی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔ ہر لڑا۔ سیوں۔ یہ کیا؟ بڑے
 آدمیوں کو کس بات کی کمی ہے؟

نرمیدر ناتھ نے ہنس کر کہا: بڑے آدمیوں کو کی نہیں؟ جس کے پاس دولت کا بھکاری ہے۔ جس کے دل میں ہمیشہ بے اطمینانی کی آگ مشتعل رہتی ہے۔ وہ اطمینان کا بھکاری ہے اور جس کے دل میں پریم بھگتی، محبت، دیا، اور پیار وغیرہ نہیں ہیں۔ وہ بالکل کنگال ہے بڑے آدمیوں کے پاس کیا سب کچھ ہے؟ دُنیا مقلّس ہے۔

رام بھدر کے دل میں اُمید کی تھلی دکھائی دی۔ لا لا۔ آ ب کس کے بھکاری ہیں؟ نرمیدر ناتھ خاموش ہو گئے۔

رام بھدر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح اندومتی کا ذکر چھڑوں۔ اس کی سوئی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ وہ دل ہی دل میں خیالات کے ادھیڑ میں پڑ گیا۔ کسی معلوم طاقت سے پرچہ خیالات کا تاروپو دھینا کر دیا۔ نرمیدر ناتھ بات کا جواب دینے یا نہیں اپنی خیالات میں غلطان پچاں تھا۔ جھجکتے جھجکتے بولا: آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔

نرمیدر ناتھ نے ذرا مسکرا کر کہا: کیوں؟

رام بھدر: یہ مسکراہٹ دیکھ کر جھجکتے ہوئے بولا: اتنی دیر تکلیف اٹھا کر آئے ہیں۔ نرمیدر: معمولی بات ہے۔ تم نے بلایا تھا آگیا۔

نیچے بات سن کر جیسے رام بھدر کے ہات میں ہفت اقلیم کی سلطنت آگئی اندومتی کا تذکرہ کرنے کے لئے کسی طرح اس کی ہمت نے تقاضا نہ کیا۔ بولا: وہ تمام باتیں یہاں نہیں کہہ سکوں گا۔ چلو کسی تنہا مقام پر چلیں۔ شاید اسے شیل بالا کا خوف تھا۔ نرمیدر ناتھ: چلو۔

مکان کے صدر دروازہ کے سامنے ایک مولسری کا درخت تھا۔ دونوں رہاں ہی آکر بیٹھ گئے۔ اس درخت کی شاخیں نہایت ہی خوبصورتی سے ہر جہاں طرف پھیل ہوئی تھیں۔ شاخ شاخ میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ بھونرے بیٹا بانہ اناناز سے رس چوسنے کی لالچ سے بچوں پر بیٹھتے تھے۔ اور اڑتے تھے۔ رس چوس چوس کر پھراؤ مٹاتے تھے مولسری کے پکے ہوئے پھل کھانے کے لئے دو کوٹلیں ادھر ادھر اڑ رہی تھیں۔ اور رہ رہ کر کوکسی تھیں۔ رام بھدر کوٹلوں کی آواز سن کر ناراض ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس

درخت کے نیچے اندوشتی کے متعلق بات چیت کرنے آیا تھا۔ کس طرح شروع کرے وہ اسی ہیچ
 تاب میں تھا۔ ادھر کوٹلوں کی بے عمل کوک اور بھی خارج ہو رہی تھی۔ زبان جیسے منہ سے نکلی پڑتی
 تھی بیک ایک نرمیدر ناٹھ کا اٹ پکڑ کر بولا۔ ہمارا راج! میری ایک بات مانو گے؟
 نرمیدر ناٹھ نے چونک کر کہا۔ کہو بات کیا ہے؟
 رام بھدر کا جسم کا سپر ہاتھا۔ بولا۔ جو بات ہو۔ مانو گے؟ کوئی بری بات نہیں۔
 نرمیدر ناٹھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے۔ جہاں تک ہو سکا مانو گا۔
 رام بھدر کہتے خوف معلوم ہوتا ہے۔
 نرمیدر ناٹھ مسکراتے بولے۔ خوف کی کیا بات ہے۔ کہو۔
 اسوقت رام بھدر کو حوصلہ ہوا نرمیدر ناٹھ کے مکان میں اس نے بہت سی باتیں کہیں
 نرمیدر ناٹھ نے نہایت غور سے سب باتیں سنیں۔ اور منتقل لہجہ میں بولے۔ مجھے کوئی فائدہ
 نہیں۔ بابا راپ سے مراد جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔
 رام بھدر۔ میں یہ تمام باتیں ٹھیک کر دوں گا۔
 نرمیدر۔ بہت اچھا۔
 یہ کہہ کر نرمیدر ناٹھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولسری کی شاخ پر بیٹھی ہوئی دو نو کوٹیل پسکی
 کھولیں ختم کرتے اڑ گئیں۔
 صرف رام بھدر وہاں بیٹھا بیٹھا نہ معلوم کیا سوچتا رہا۔

چوتھا باب

نرمیدر کون ہے؟

اندرو نامی گاؤں کے زمیندار شنبھو ناٹھ رائے تھے۔ رائے ہاشے نہایت ذی حیثیت اور
 مقدر شخص تھے۔ گاؤں سے باہر کچھ دور بھی ان کی جائیداد تھی۔ ان کی زمینداری کی آمدنی
 تقریباً دو لاکھ سالانہ کی تھی۔ اور تجارت وغیرہ بھی سال میں دو لاکھ کے فریب مل جاتے
 جسے چار لاکھ سالانہ کی آمدنی ہو۔ کہتے ہیں اسپر لکشمی کی پوری پوری نظر ہوتی ہے لکشمی جی رائے

جھلسے کے خزانہ میں براجمان رہتی تھیں زمیندار بابو کی بیوی نہایت ہی حسین اور کشمی سُرُوپ تھیں۔ رائے مہاشے اُن سے بہت خوش رہتے تھے۔ بڑے لوگوں کے مکانات جیسے ہوتے ہیں۔ رائے مہاشے کا بھی ویسا ہی تھا۔ بلکہ بعض بعض حصّہ تو نہایت ہی عجیب و غریب اور خوبصورت تھ۔

رائے مہاشے کے مکان میں پانچ حصّے تھے۔ پہلے حصّہ میں بہت بڑی بڑی کونٹیاں تھیں اُس میں سکول، ٹیٹا خانہ، رنگ محل۔ اور نوکروں کے رہنے کے لئے مکانات تھے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت تالاب بھی تھا۔ اور شمالی حصّہ میں ایک خوشنما باغیچہ تھا جنوب کی طرف راستہ تھا۔ صدر راستہ کی جانب بازار تھا۔ اور وہاں سے ندی بہتی تھی۔ دوسرے حصّہ میں طرح طرح کے خوبصورت ٹٹ۔ تیر۔ سنگتراشوں نے صنعتگری کا کمال دکھایا تھا۔ اس سے ملی ہوئی منشت تھی جو عمدہ ترین فرش اور نہایت ہی دلکش سامان اور تصویر آ سے مرتبہ تھی تیسرے حصّہ میں ڈرگا کی موٹی تھی۔ اسی حصّہ میں وہاں خانہ بھی تھا۔ سیر و تفریح ہنسی مذاق۔ چہل و لگی کے لئے اسی کے پاس ہی ایک خوبصورت مکان تھا۔ اس کے بعد پھر زمان خانہ کی عمارت تھی۔ پھر دو منزلہ تھی۔ ایک منزل میں رائے مہاشے خود رہتے تھے اور دوسرے میں زیردہ راتھ۔

رائے مہاشے سونے کی غرض سے آئے تھے۔ دیکھا۔ بیوی۔ خوابگاہ میں نہیں ہیں۔ اسوج سے اُن کی طبیعت نہیں لگی۔ دام بلا میں گرفتار پرند کی طرح وہ پھر پھرتے گئے۔ رائے مہاشے کو بہت ناگوار خاطر ہوا کسی قدر غصّہ بھی آیا۔ وہ لیٹے نہیں۔ بلکہ بیٹھے ہی رہے۔ کچھ دیر بعد بیوی صاحبہ آئیں۔ آتے ہی انہوں نے رائے مہاشے کے مزاج کی حالت کا اندازہ لگا لیا۔ رنگ بدلنے اور اُن کا غصّہ دور کرنے کے لئے ہنستے ہنستے بولیں۔ درخت کے پتے طوفان آنے پر بھی نہیں گرتے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ مگر ہوا کا جھونکا انہیں دم کے دم میں گرا دیتا ہے۔ رائے مہاشے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ بیوی نے جب کوئی جواب نہ پایا۔ تو خود ہی بولیں۔ ایسی زبردست بارش ایسی حالت میں یہاں نہیں بھر سکوئی گی۔ چلو کوئی اور گھر دیکھیں۔

یہ کہہ کر انہوں نے جانے کے لئے قدم بڑھایا۔ اور دو چار قدم چلیں۔
 رائے ہاشے اسوقت سخت کشمکش کی حالت میں تھے۔ بیوی کے چلے جانے سے اور بھی طبیعت
 گھبرائے گئی۔ بچی ٹرھ جائیگی۔ اسی وجہ سے انہیں جاتے دیکھ کر مجبوراً ابھان توڑنا پڑا۔
 بولے۔ سب جاتے کی ضرورت نہیں۔ میں ہی ماراں لیتا ہوں۔

رائے ہاشے نے اپنا مان آپ ہی توڑ دیا۔ بیوی کی چالاکیاں سمجھ میں نہ آئیں۔
 اسوقت بیوی اگر شوہر کے پاس بیٹھ گئی۔ اور پاں کھاتے کھاتے مزید راتھ کی شادی
 کا ذکر چھڑا۔ مزید راتھ رائے ہاشے کے اکلوتے بیٹے تھے۔ مزید راتھ کو ناظرین ہوا تھے
 ہی ہیں۔ کچھ اور کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ سگسرال چھی ہونی چاہئے۔ تاکہ فریندا
 ویاں دو چار دن بھر میں تو تکلیف نہ ہو۔ بہوشین ہو۔ بیوی نے اپنی آنکھوں اور ناک
 کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کہ آنکھیں ہوں۔ رائے ہاشے کی بیوی کا روپ چھپا کی ٹٹی
 کی طرح تھا۔ جسم کی ساخت نہایت سڈول اور دلکش تھی۔ اگر کوئی نقص تھا۔ تو صرف یہ
 کہ ناک اچھی نہیں تھی۔ اور آنکھیں ذرا اچھوٹی تھیں۔ مگر رائے ہاشے اسی پر لٹو
 تھے۔ بیوی بھی اپنی آنکھوں کو خوبصورت سمجھ کر تعریف کرتی تھیں۔ رائے ہاشے نے سچ کو چشم پوشی نہیں
 کی۔ بلکہ کسی قدر بڑھا کر کہا۔ تمہاری جیسی چٹی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی ہوا کرتی تو راتھ
 بھی ہر وقت میری طرح کڑھتا رہتا۔ یہ مجھ سے بھی ذمہ لگا۔

شوہر کی بات سنانے پر بیوی کا منہ کچھ کی طرح پھیل گیا۔ تھک گیا۔ گھبرا گیا۔ بولیں۔ اتنا مذاق کیوں؟ اگر میری آنکھیں
 اور ناک آپریشن سے تھیں تو شادی ہی کیوں کی؟ دیکھوں گی نہ۔ کہ مجھ سے اچھی ہو۔ کیسے چاہتے ہو؟ میں بھی کہیں
 مری نہیں جاتی۔ یہیں بیٹھے بیٹھے سب دیکھوں گی۔

رائے ہاشے نے ہنسے ہنسے کہا۔ تم ناراض ہو یا خوش ہو۔ اگر تم سے اچھی نہ ہو۔ تو میں نہ کی شادی بھی کروں گا۔
 بیوی نے بھڑکنا نہ انداز سے کہا۔ دو کیسی خیری کا لپی۔ اور باون پورے اٹھارے۔

رائے ہاشے کی بیوی کی ہنسنے کی شکل دیکھ کر بولے۔ تم یقین مانو تم کو کہیں جھوٹ ہو لگاؤں گا۔
 بیوی کا فتنہ کسی قدر کم ہوا۔ بولیں بہت اچھا۔

رائے ہاشے نے۔ تم سے بڑا کازنگ بھی اچھا ہو گا۔

بیوی کیا میرا رنگ خراب ہے؟
 لائے مہاشے۔ ہاں! رنگ تو شاید تم سے اچھا نہ ہو۔ خیر! جو عزیز نہاٹہ کی قسمت میں ہوگا۔
 بیوی کسی قدر خوش ہو کر بولیں۔ دیکھوں کی کیسی ہو آتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھانے پینے کا سامان
 لانے کے لئے چلی گئیں۔

پانچواں باب

دریائے کنلے!

عجیب آسمان پر آہستہ آہستہ قدم جاتا ہوا چاند جلوہ افروز ہوا۔ طائران خوشنوا کی نعیم
 سرانہوں سے تمام کائنات پر ایک دلدادہ انگیز مسرت جھانکی تھی۔ ان کی شیریں نوا یاں فضا
 آسمان کو چیرتی ہوئیں گنبد گردوں تک جا پہنچیں۔ چٹھنے والے کے دل میں مسرتوں کا ایک
 جھوم تھا۔ رنگ سیاہی فرط خوشی سے لار گاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شبنمائیوں کی دلکش ٹہری
 گوازلوں سے تمام مکان گونج رہا تھا۔ اور ایک ایک کمرہ فرش فروش سے بھر اسنہ تھا۔
 باہر لوگ بھولوں کا گلدستہ رنگین دھول میں لے ہوئے فرش محل پر عجیب انداز سے بیٹھے
 ہوئے تھے۔ خوشنما بیہوشی میں اپنا جسم چھپائے جھوم رہی تھیں۔ دو ایک یلیں فرط
 سوخی سے اپنے پھلوں کا عکس ندی کے صاف شفاف پانی میں منعکس کر کے ایک عجیب
 پراٹھ اسماں پیدا کر رہی تھیں۔ گیلری میں بکثرت عورتوں کی تعداد آپس میں چیل چلی
 میں مصروف نظر آ رہی تھی۔ ان کی متفقد سریلی آواز تھیں کے معنوں کو مات کر رہی تھی۔ شیشا
 آجسام سے جھومتی ہوئی کبھی اس درخت پر بیٹھتی تھی۔ اور کبھی دوسرے درخت کی شاخ
 پر اپنی مسرت کے اظہار میں اس نے عمدتہ چین کو نہایت ہی بارونق بنا دیا تھا۔
 ادب دیر ذکر و بہت وقت گزر گیا۔ لگن کا وقت گزرنا جا رہا ہے۔ شادی کا باجا ناشر شروع
 کر دیا۔ تمام محل میں کھلبلی مچ گئی۔ باجے والوں نے باجے بجانے شروع کئے۔

چپ! چپ! اب تماشا شروع ہونا لا ہے۔ یہ کہتی ہوئی عورتیں سیلاب کی طرح اُٹھ کھڑی
 شہر تو تو میں خیال پر سوار ہو کر ادھر ادھر خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ رہ کر خیال کیا ہے

گھوڑے کی لگام چھوڑ دیتے تھے۔ اے شعرے شیریں مقال! بھاگو۔ بھاگو۔ آسمان
 تھارے ساتھ جنگ ازما ہونے کے لئے وھاوا مارنا ہو آ رہا ہے۔ مٹ نہ اس کی آواز
 بھاگو۔ جلد بھاگو۔ شعرانے گھوڑے کی لگام موڑ دی۔ بجلی چمکنے لگی بادل گر بننے لگے۔
 تمام راگ رنگ بند ہو گئے۔ بابو لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا۔ عورتیں آڑ میں چھپ گئیں۔
 آسمان کے اُس آسمان ہی میں ل گئے۔ بادل دو چادر رنگ کرکست لگائے ہوئے
 فوج کی طرح نہ معلوم کہاں اُٹکی آنکھوں کے آئینوں آنکھوں ہی میں خشک ہوئے زمین
 کا سینہ سیراب نہ ہوا۔ صرف دھان کے کھیتوں کی بالیاں لہرائے گئیں۔ کسانوں کے بول
 مایوس ہو گئے۔

اس ریر دست کشکس کے بعد رفتہ رفتہ آسمان پرستاروں کے چراغ روشن ہوئے
 رات تقریباً دو گھنٹے گزر گئی تھی۔ جیسا کہ کی پرنسز رات تھی۔ نہایت ہی دلکش اور پر لط
 ایک طرفہ ترشح ہو رہا تھا۔ اور دوسری جانب چاند نے اپنی نورانی کرنوں سے صبح قدرت
 پر ایک صاف شفاف چادر کھپا دی تھی۔ بہ متضاد نظارہ کیسا دغریہ اور دلربا تھا۔
 آجیا جی ندی کے دونوں کنارے نیلگوں مادوں کا جھوم تھا۔ باجبا خوشامایلیں پانی کی
 کی طرف بھگی ہوئی نظر آرہی تھیں کہیں کہیں دو چار ماردار بھاریاں تھیں۔ بڑے
 درختوں کی شاخیں اچھا متی ندی کے قدم سے میسر گرمی دکھا رہی تھیں۔ کس نے
 پودوں کی قطار پانی میں ڈوبی ہوئی چاند کی کریوں کا ارت رس لی رہی تھیں۔ کہیں کہیں
 ٹھاؤں کے لوگ مٹی بٹا کر گھاٹ بناتے تھے۔ اسی گھاٹ سے تھوڑی دیر پہلے
 جھوٹا سا مکان تھا۔ اُس مکان کے مالک شری رام بھدر تھے۔ رام بھدر اسی گھاٹ پر
 آکر ملا ناغہ بناتے تھے۔ رام بھدر کی پالی ہوئی دوڑکیاں اس وقت شباب کی منزل میں
 قدم رکھ چکی تھیں۔ ان سے ناظرین کا تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں
 کے نام شیل والا اور اندرومتی تھے۔ دونوں کی پرورش ساخ ساخ ہوئی تھی۔
 شیل والا اندرومتی کو ساتھ لے کر روز شام کو نہانے دھونے آتی تھی۔ آندھی پانی کی تیر
 سے اسدن نہیں آتی تھی۔

اس وقت آندھی پانی کا نام نہیں تھا۔ شیل بالائے دھرتی کے ساتھ ساتھ ایک گیت گانے لگی تھی۔ شیل بالائے دھرتی کے ساتھ ساتھ ایک گیت گانے لگی تھی۔ شیل بالائے دھرتی کے ساتھ ساتھ ایک گیت گانے لگی تھی۔

ادھر ادھر کی کڑیاں جو ڈکرائے چڑھاتی تھیں۔
ادھر نہید راتھ نوکری کے پیچھے رام بھدر کے ساتھ باتیں کر کے یاور سناہ انداز سے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک ایک ان کے کافوں میں ایک سریلی آواز پہنچی۔ زبردنا تھا جیسے اس وقت شراب کے رشہ میں چھڑ ہو گئے۔ گانا سننے کے لئے بٹھ گئے۔ اس دلکش گیت نے ان کے رگڑ پنے میں اردوں کا ایک طوفان بپا کر دیا۔ ان کے قدم وہاں ہی جم گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور اس سناٹے میں یہ دلدوز تائیں اسی معلوم ہوئی تھیں۔ جیسے بات سے سناٹے میں نغمہ عندلیب ان کے دل میں رہ رہ کر جیسے چٹکیاں لینے لگا۔

تم ہیں کون نکالے یار!

مہر سہواری اگم بہت ہے نعمت کی پروائی۔

لو کہ کانگہ بٹے نہ ہٹائے بھول گئی ساری چٹرائی۔

تیل بالائے گیت ایک ویشوی عورت سے سیکھا تھا۔ سریندر ناتھ اور بچپن ہوئے۔ اس نغمہ لطیف کے ایک ایک لفظ نے ان کے دل میں ایک روحانی سرور کی دھڑکن مچا دی۔ سامنے دیکھا۔ دو نازک خرام نور لڑکیاں گویا آسمان سے اتر آئی ہیں۔ اس گیت سے عکس سے دریا کا پانی متوجہ میں آ رہا تھا۔ چاند کی صاف شفا کر میں پانی میں مسکرائی ہوئی لگا آ رہی تھیں۔ تمام جہاں آسمان غرض سب کچھ اس گیت میں ڈوب گیا تھا۔ سریندر ناتھ کا ایک بونے شیل بالائے آندھرتی سے کہا۔ سکھائی رات ہو گئی۔ چل گھر چل!

سریندر ناتھ نے متحیر ہو کر دیکھا۔ دونوں نازنین پانی میں پاؤں لٹکائے اور کالے کالے بال کھولے ہوئے بیٹھی ہوئی ہیں۔ سریندر ناتھ نے سوچا۔ بھہ مانوی ہیں۔ باطل دیوی اب اس میں کہا اس قدر حسن و لطافت ہوتی ہے۔ ایسی دلربا اور مست کر لگتی ہے۔ اتنا یا کیرہ اور لطیف چہرہ بھول کی طرح نازک و گداز جسم۔ یقیناً یہ دیوی ہیں۔ ایسے

گراں بہار بن کہاں نظر آتے ہیں؟ رتن سمندر میں کہاں سے آیا؟
 زیند رناتھ اسی ادھیر بن میں تھے، اتنے میں شیل بالاد اندومتی رفتہ رفتہ پانی سے نکل کر
 گھر کی طرف چلیں۔ اسوقت زیند رناتھ کے خواب نوشین کا مزا جاتا رہا۔ نا اُمیدی کے خوف
 سے ان کا دل کانپنے لگا۔ مایوسانہ لگاہوں سے وہ دونوں کی طرف تارکنے لگے۔ چلتے چلتے
 شیل بالانے اندومتی سے کہا: ”سکھی! معلوم ہوتا ہے۔ اب بہت دنوں تک اس طرح نہ
 بس بنائے دھونے رنگ رلیاں مچانے کا موقع نہیں ملے گا۔“

اندو:۔ کیوں سکھی؟

شیل بالاد:۔ پانی میں گھڑیاں آگیا ہے

اندو:۔ سکھی یہ کیا بات؟

شیل بالانے دُور سے زیند رناتھ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ بات اندومتی سے پوشیدہ رکھ کر کہتی
 ہوئی گائے لگی۔

کابے جھلک دکھایو رے موہن

پریم کبابن چلا کر پریم

کابے جھلک دکھایو رے موہن

گاتے گاتے دونوں چلی گئیں

اندومتی نے پھر رقت درو کے اہم میں گانا شروع کیا:-

کلی کلی رس چھ سے بھو۔ راؤ راؤ پھول پہ آئے

دادرہ مورہ پیہا ماچے۔ جیا ڈکھ لچا آئے

تڑپے ی برسوں سے پیاری آج ہوں میا نہ آئے

وہرے ٹکھی بدھ ہاروں سختی برما جو رہا آئے

ہائے سکھی کینے من ماروں جیا بہت گھبرائے

آئے ملیں جلدی من مہن من بن رہا نہ جائے

چھٹا باب

قلعہ

ان واقعات کے بعد زیندہ رانا کو اندومتی کے گھر جانے کی زبردست خواہش ہوئی۔ اگلے
 دن میں رفتہ رفتہ اس کی محبت کے خیالات نے ہی اپنا گھر بنایا۔ گھر میں بیٹھ بیٹھے وہ اندومتی
 کے متعلق بہت کچھ سوچتے رہے۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کاش اندومتی جیسا اگر انہما تن اگر
 بات آئے تو کس قدر سکھی ہوں۔ کتنی بار دیکھ چکا ہوں۔ ادب اب بھی دیکھتا رہا۔ پھر بھی بار بار دیکھتی
 کو جی جاتا ہے۔ کیوں ایسی خواہش ہوتی ہے۔ نہیں کہہ سکتا۔ اس دنیا میں کتنی ہی خوبصورت
 اور ماہر و نازنین دیکھیں۔ مگر سب بھول جھٹیں کسی کو دیکھ کر دل میں آرزوں اور امنگوں
 کا طوفان نہیں آیا تھا۔ مگر اسے دیکھ کر دل میں کیوں مد و محیر کا عالم برپا ہو گیا ہے۔ ہائے افسوس
 و لفریب تھی نے کیوں ایک حشر بیا کر دیا۔ جس وقت اس تھپی کا خیال آتا ہے۔ دل میں ایک
 عجیب و غریب جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہی تھی جس میں موسمی بنت کے قوت گفہ بھیولوں کی
 شگفتگی کا نظارہ تھا اس کا تصور کرتے ہی دل میں ایک گدگد ہی ہی ہونے لگتی ہے۔ اندومتی
 کے اس و لفریب چہرہ کی یاد آتے ہی دل کے اندر ہلچل مچا پوس ہوا کی سرسراہٹ کیوں انقلاب
 پیدا کر دیتی ہے۔ وہ جنگلی بھیول ہے۔ اپنا گلا اس سے کیوں کر مزین کر سکوں گا۔ بھیول جنگل میں
 گھلتا ہے اور ایسے چرنوں میں گر کر خشک ہو جاتا ہے۔ اسے کون پاسکتا ہے نہیں
 دل کھو بیٹھا۔ کیوں دیکھا تھا؟ جان دیے کیوں گیا تھا رام بھٹور نے مجھے سبز باغ دکھا کر
 کیوں اس حسن کے بحر بیکراں میں غرق کر دیا۔ اس نے ایک بات نہ آئی والی شے کا تہ بتایا ہے
 ابھی کا۔ یاب نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کہا کروں گا۔ یہ سب میں کیا سوچ رہا ہوں۔ کیا میں مرد
 ہوں؟ اگر ایسا ہے۔ تو یہی مرانگی کہاں آئی؟

اندومتی میری کون ہے؟ میں اس کے سے کیا سوچ رہا ہوں وہ جنگلی بھیول ہے۔ جنگل میں
 ہی رہتا ہے۔ جنگل کا بھیول انسان کے قابل نہیں۔ انسان کو پیار نہیں کرتا۔ یہ
 میں، اندومتی کے پاس سے چلا آیا تو اندومتی کیا سوچ رہی ہوگی۔ یہ سوچ بہت پریشان ہے۔

یہ خیالات بھی اُس کے دل میں آ گئے۔ چوں کہ جانتا ہے۔ چاند مسکراتا ہے۔ اس سے انسان کیوں محفوظ ہوتا ہے۔ چوں کہ بوسے خوش مالکے ذریعہ سے داخل ہو کر انسان کے دل کو بچھین کر دیتی ہے۔ یہ کیا انسان کا قصور ہے۔ میرا دل آگ میں کو دنا چاہتا ہے۔ جل کر مرنے میں خون نہیں گرتا۔ اس وقت دل کو کیوں کر روک سکوں گا۔ منہ بند کیا جاسکتا ہے۔ مگر دل کسی زنجیر سے جکڑا نہیں جاسکتا۔ شیل اسے نہیں سمجھ سکتی۔ صرف میرا مفہم اڑاتی ہے۔

رام بھدر کے بھی آنکھیں پھٹیں۔ اس پر ہلا وحشت کی بات اس سے بھی پوشیدہ نہیں تھی دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا۔ اس قدر ممتی باجوں گنگا کی پُرشور لہروں میں بہا جا رہا ہے زبردست روانی سے اس وقت وہ بالو کا بانڈھ کی ریح قائم نہیں رہ سکتا۔ اندر ممتی کو بہت پیار کرنا ہے۔ یہ عمر اس قابل نہیں کہ وہ گھر میں اچھی جائے مناسب بھی نہیں ہے۔ کسی قابل لڑکے کے ساتھ ہی شادی کر دینی مناسب ہے۔ لڑکا بھی اچھا ملا ہے۔ متمتع مزاج خوش اطوار اس کے علاوہ نہایت ہی تندرست جسم دیکھنے میں نہایت ہی دیدہ زیب۔ مال و دولت کی بھی کمی نہیں۔ جیسے کثیر کا خزانہ اس سے زیادہ لائق اور موزوں تر لڑکا کیا لے سکتا یہ سب سوچ کر رام بھدر ایک دن غریب لڑکے کے باپ کے پاس گیا۔ اور شادی کی تجویز پیش کی۔ رائے بہت سے فائدے ہی نا منظور کیا۔ لڑکی کے مال مایہ نہیں۔ عزیز واقارب بھی کوئی نہیں۔ لڑکا کاسٹراں جا کر دویں میں رہ سکتا۔ بالخصوص مجلسی قید و بند کو بھگت توڑی جاسکتی ہے۔ لڑکی حاندانی ہے۔ اس کا بھی پتہ نہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں رام بھدر نے زبردست بات کی تمام بات جیت جیت سے حسن کا اجمالی طور پر دکر کیا۔ اور یہ بھی کہا۔ گو کل پور میں ایک بارلو۔ ساخا۔ سیکڑوں اس بلوہ میں عاں بحق تسلیم ہو بہتر ہے بھالنگو۔ بگڑوہرنی دھرواوس۔ ایسے عیال و اطفال کے گاؤں چھوڑنے پر بھی بچ سکے۔ راستہ ہی میں ان کی اور ان کی بوی کی موت ہو گئی رام بھدر کہتے کہتے رونے لگے مرنے وقت دھرنی دھرواوس نے مجھ سے کہا۔ رام بھدر اگرچہ تم میرے نوکر ہو تاہم میں تمہیں اپنا بزرگ سے کم نہیں سمجھتا۔ تمہارے اس وقت میری حفاظت کی ہے۔ تم اپنے حلیہ و چلن پر لڑکی کی اور رام باجو کی لڑکی کی حفاظت سنبھالنا اس کی ادائیگی میں نہیں کر سکتے۔ رام باجو

دھرتی دھر کے دوست اور پڑوسی تھی اس لڑائی میں وہ بھی لاو لہ ہو گئے تھے۔ گوکل پوچھتا
کہ لڑکی کو لئے ہوئے بھاگ آئے تھے۔

رائے جہان شے یہ تمام باتیں سن کر کسی قدر نرم ہوئے گوکل پور کے دہرنی دہر بابو سے
تقریباً سب لوگ واقف تھے۔ اس لڑائی میں سوائے اس لڑکی کے اور کوئی نہیں بچا تھا۔
یہ بات بھی عسید بخوبی جانتے تھے۔ صرف یہی نہیں معلوم تھا کہ لڑکی کون ہے۔ لوگوں نے سمجھ
لیا کہ وہ مر گئی ہوگی۔ بہت تلاش کرنے پر بھی یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ اس وقت پینکر
کہ اندومتی دوسری بابو کی لڑکی ہے۔ رائے جہان بہت خوش ہوئے۔ بہت دنوں تک وہ
ایک خوبصورت اور خوش سلیقہ لڑکی کی تلاش کرتے رہے مگر کوئی نہیں ملا۔ آج رام بھدر
کے منہ سے اندومتی کے حسن و اوصاف کا تذکرہ سن کر دیکھنے کے لئے بیچین ہوئے۔ یہ طے پایا
کہ لڑکی دیکھ کر کچھ طے کیا جائیگا۔ رائے جہان کی یہ باتیں سن کر رام بھدر کے دل میں کس قدر
ڈھارس ہوئی۔ سوچنے لگا۔ ایسی لڑکی کہاں ہیں ایسی۔ تاج مقررہ پر رائے جہان اندومتی
کو دیکھنے چاہیں گے۔

دوسرے دن برائے جہان شے اپنی بیوی سے بغیر کچھ کہے سنے اندومتی کو دیکھنے گئے۔ اس کا
حسن و جمال دیکھ کر محنتوں ہو گئے۔ عہد کیا۔ کہ اندومتی کے ساتھ ہی فرید رانا تھ کی شادی
کر لیے۔ صرف ایک مرتبہ بیوی سے برائے نام تذکرہ کر کے رائے نے لینی ہے۔ اسی وجہ سے انکو
ڑے فر سے کہا۔ دیکھو ہو بہت خوبصورت ملیگی۔ تمہاری آنکھیں اور ناک اس کے سامنے
کوئی حقیقت نہیں کہیں۔ تکی کے پھول کی طرح ناک۔ کسل کی طرح آنکھیں۔ دو نو ہونٹ تھنا
ہی پتلے۔ دانت موتیوں کی طرح۔ ایسی ہو لوگی؟

بیوی نے دل ہی دل میں کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی اس دن کی طرح ہنسی مذاق
کر رہے ہیں جیجی اتنی باتیں! بظاہر بولی۔ آج پھر وہی مذاق؟
رائے جہان نے مہر ت آبرو لایہ میں کہا۔ نہیں سچ سچ ایسی ہو دیکھ کر آ رہا ہوں
بیوی۔ بہت اچھا۔ دیکھا نا، لگا۔
رائے جہان نے وار لڑکا سر ان نہیں جاسکیگا۔ یہ ہو جنگل سے ملی ہے۔

بیوی۔ میرے لڑکے کو ایک وقت سسرال میں کھانے کا بھی اچھاؤ۔ اگر بیوی لگتی ہے۔ تو ہونے
وہ ایسی ہو کہاں دیکھی؟
رائے جہانے بہ قریب ہی۔

اس وقت رائے جہانے بیوی سے زمیندار ناٹھ کی شادی کے متعلق طرح طرح کے مشورے
کرنے لگے۔

بھوکو زمیندار ناٹھ کی شادی تھی۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ رائے جہانے کا مکان چلو
سے بھر تھا۔ دس دن تک خوب ناچ رنگ اور زمان رنگ کی بہار رہیگی۔ مکانات نہایت ہی
دلفریب اور دلکش سامان فرشتہ کئے گئے تھے۔ جھاڑ فائوس نہایت خوش نما نظر آتے تھے دیواروں
سے خوبصورت نقاویرویاں تھیں۔

تماشاہوں کی کثیر تعداد دیلاپ کی طرح اُنڈی چلی آرہی تھی۔ لوگ دیکھتے تھے۔ جاتے
تھے۔ بعض بعض نقاویرو دیکھ کر لوگ ہنستے تھے۔ کوئی کوئی فرط حیرت سے دنگ تھا۔ کسی کیلئے
کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ جو جہاں جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے کوئی بندش نہیں تھی
دس بجے رات کے قریب اچھی ساعت میں زمیندار ناٹھ کے ساتھ اندوشتی کی شادی ہوگئی
رام بھڑ کی اتنے دنوں کی خواہش پوری ہوئی۔

ساقواں باب

دونوں کا ملاپ

نہایت ہی پرفصا اور پرسکون رات تھی۔ تمام مکان رشک چمن بنا ہوا تھا۔ خوشی کی دیوی
اپنی سبھی پہیلیوں کے ساتھ جو حرام تھی۔ ہواستی سے جھومتی پھرتی تھی۔ درختوں سے پتے
پتوں پر ایک عجیب و غریب ماحول نظر آتی تھی۔ شاخیں بیول پھل سے لدی ہوئی نظر آرہی
تھیں۔ رات نے مستاروں کی مالاہین لی تھی۔

زمیندار ناٹھ کی شادی ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہوگیا۔ رات کا یہ پرفصا حسن دیکھ کر زمیندار ناٹھ
اندوشتی کے ساتھ لے کر باغیچہ میں آئے اور فرط محبت سے متولے ہوکر سیر و تفریح کا حظ اٹھانے

لنگے۔ ٹیلے اندومتی نے گل و بوٹیوں کی رعنائیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ دیکھا۔ ایک ایک شاخ پھولوں سے لدی ہوئی ہے۔ دلا دیز مگر نوشت گفہ پھولوں کی بوئے خوش سے تمام چین طبع عطا بنا ہوا تھا۔ بھونرے رس چوس رہے تھے۔ مین کی آواز میں منرت سانپ کی طرح۔ پھولوں کی بوئے خوش کہیں اس پھول کی بو سے ٹکراتی تھی۔ اور کبھی اُس سے۔ گویا وہ اپنی زبردست محبت کا ثبوت دے رہا تھا۔ چھی بھر مرا متھاری یہ حرکات قابل تحسین نہیں۔ متھاری ان ستون حرکات کو دیکھ کر کوئی نہیں پیار نہیں کرے گا۔ کامنی کا پھول کس قدر لطیف و نازک ہے وہ دور سے ہی اپنی خوشبو ہر شخص کو دیتا ہے۔ مگر کسی کو اپنے آپ یہ بات لگانے نہیں دیتا۔ بھونرا اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لئے کامنی کے پاس آیا۔ اُسپر بیٹھے ہی پھول کے ٹوکے ٹکڑے ہو گئے۔ گویا کامنی زمین حال سے کہہ رہی تھی منٹھ سے کیسے والی محبت ہر چہ جاتی جاؤ تم بھاگ جاؤ۔ بھونرا اسوقت مین بھن کرتا ہوا اٹھان میں ڈوبی ہوئی تھکی کے پاس گیا۔ کبکی اپنا اڈا اس منٹھ بنائے خاردار گھونگھٹ نکالے سوچنے لگی یہ آج کہیں ڈلاؤں کر چھوڑ دوں گی۔ بھونرے نے یہ بات نہیں سمجھی۔ وہ کیتلی کا گھونگھٹ ہٹا کر منٹھ دیکھنے کے لئے زبردست کوششیں کرنے لگا۔ جتنی کہ خود بھی انہیں کانٹوں میں الجھ گیا۔ تب بھونرے نے لامعلوم زمان میں، کیتلی سے کتنی ہی منت و سماجت کی۔ کتنا ریا گایا۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ بالآخر وہ ہوا کر بھاگ گیا۔ زبردناٹھ و اندومتی بھونرے کی یہ مدد و جد دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اندومتی نے ہنسنے ہنسنے کہا:۔ ناٹھ ایتھول کیوں کھلتے ہیں؟

زبردناٹھ:۔ مرنے کے لئے۔

اندومتی:۔ پھر اس کھلنے سے فائدہ کیا؟

زبردناٹھ نے ذرا مسکرا کر کہا:۔ اپنی خوشبو سے کائنات کو معطر کرنے کے لئے!

اندومتی نے اوکچہ نہیں کہا۔ وہ پھول چننے کے لئے چلی۔ زبردناٹھ دور کھڑے ہوئے اندومتی کی یہ حرکات دیکھنے لگے۔ دیکھا فضائے دہر میں گویا اندر لوک کی الپرا آگئی ہے۔ اور وہ پھول چن رہی ہے۔ اندومتی نے اک سہاہ فیتہ سر میں لگا رکھا تھا۔ ساری کانچل سر سے سرک گیا تھا۔ یہ دیکھ کر زبردناٹھ نے سوچا۔ گویا سہاہ سانپ آہستہ آہستہ

اُس صاف شفاف جسم پر پھسل رہا ہے۔ اندومتی کی ستارہ چال دیکھ کر خیال آیا۔ عین کے عشق میں ڈوبی ہوئی رہتی دپوی گویا کام دیو کی مینا دلی سے شکستہ دلی سے آہستہ آہستہ قدم جاتی ہوئی مسرت خرام ہے۔

اندومتی بھول چن کر زیندر کے پاس آئی۔ اور کہا۔ آؤ۔ بیٹھیں
زیندر۔ اندو کہاں؟

اندو کیوں؟ اس درخت کے نیچے ایہ کہہ کر اندو نے ایک درخت دکھایا۔

اس کے بعد دونوں اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اُس درخت کے حسن کا کیا کہنا؟ ایک ایک تلخ پھول سے لہی ہوئی تھی۔ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی نے سبز نخل پر ستارے ٹانک لئے ہیں۔ اندومتی نے وہاں بیٹھ کر مارگو مہنا شروع کیا۔ زیندر ناتھ اندو کی گود میں اپنا سر رکھ کر آرام کرنے لگے پتوں کو چھیدتی ہوئی چاند کی صاف شفاف منور کرنیں اندومتی کے چہرے پر پڑنے لگیں۔ زیندر ناتھ لیٹے لیٹے نیم باز آنکھوں سے اندو کے چہرے پر چاند کی کرنوں کا دلفریب رقص دیکھنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے وہ اُس حسن کے بھر بیکراں میں غوطہ زن ہو گئے۔

اندومتی مارگو مہنا کرتی تھی۔ کیوں رو رہی تھی؟ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی ان آنسوؤں نے ہار کی زیندیت میں ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی۔ پھولوں پر وہ آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح نظر آ رہے تھے۔ یکا یک آنسوؤں کی ایک دو بوندیں زیندر ناتھ کے جسم پر پڑیں۔ زیندر ناتھ چونک کر اٹھ بیٹھے۔ اور مضطربانہ انداز سے ولے "اندو! یہ کیا؟ روئی کیوں؟"
اندومتی خاموش رہی۔ زیندر ناتھ نے پھر کہا۔ "اندو! بتاؤ کیا ہوا؟"

اندومتی نے آجھل سے آنسو پونچھ کر کہا۔ "کچھ نہیں؟"

یہ کہہ کر زیندر ناتھ کے چہرے کی طرف یہ پہیلی کی طرح بیاسی لگا ہوں سے دیکھنے لگی۔

زیندر ناتھ نے کہا۔ "مجھی اکوئی جھوٹ بھی بولتا ہے؟"

اندومتی دل ہی دل میں ہنسنے ہو گئی۔ سوچنے لگی۔ شوہر کا درجہ دیوتاؤں سے بھی بڑھ کر ہے۔ دیوتاؤں کے سامنے جھوٹ بولنے سے چٹکارا ہو سکتا ہے۔ لیکن سوچ کر اُس نے

ایک گہرا سانس لیا۔ بولی: ”ایک بات کا خیال آ گیا تھا۔“

ترنیدر نے بتایا نہ انداز سے کہا: ”کونسی بات۔“ اندو!۔

اندو نے مضطربانہ نگاہوں سے دیکھ کر دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: ”میں ہمیشہ کی دیکھاری ہوں
ایسے زبردست سکھ سے مخلوق رہی ہوں گی۔ ان چلے نصیبوں میں یہ کہاں؟ یہ کہتے کہتے، اندو متی
کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو بہنے لگے۔ ان آنسوؤں کے پانی میں اس کا پھول
جیسا وصل کر اوبھی نکھر آیا۔ آگیا! کیا حسنِ دلاور تھا۔ جیسے دیکھنے کے لئے مارا بلطیت
چاہتی تھی۔ بڑھاتے تھے آنسوؤں سے بھر پور کیوں نہ کر دیا۔ آنسوؤں کی لیلیا اگر سمجھ میں
آتی۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ کاش! ان دونوں بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن
رہتا۔ تو ان گلابی گالوں کو ہمیشہ انھیں آنسوؤں سے دھو کر شگفتہ رکھتا۔ زمین نہاتے کے دل
میں بھی خالات موجزن تھے۔ اندو متی کے ملاحظہ مار چہرے پر وہ آنسوؤں کی روانی۔ اور
آنکھوں میں وہ مدد و جزو کا عالم دیکھ کر کون ایسا تھا۔ جو بیچو نہ ہو جاتا۔

اندو متی! ہم جانتے ہیں۔ دنیا میں تم روئے کے لئے ہی آئی ہو۔ رو دو! رونے میں خوف
کی کیا بات ہے؟ دنیا اسی طرح روتی رہتی ہے۔

اندو! آسمان روتا ہے۔ سمندر روتا ہے۔ اسی رونے میں دوبا کو شانتی ملتی ہے۔ اگر آسو
نہ ہوتے تو دنیا میں رندہ رہنا غیر ممکن تھا۔ پتھر کے سینہ میں آگ ٹھہرتی ہے۔ اسی وجہ سے
اُس کی ہستی ہے۔ اُس کے دل میں جو زبردست آگ شعلہ زن ہے۔ اسے ہم تم کہہ سکتے ہیں۔
جان سب کچھ؟ آسمان تمام دن جلتا رہتا ہے۔ بیچ بیچ میں پانی آکر اُس کو تسکین دیتی ہے۔
دیتا رہتا ہے۔ سمندر کی تلاطم خیز لہریں دیکھ کر دل میں یہ نہ سوچنا کہ سمندر کے دل میں آسو
حوتی کے غم کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ سمندر کے دل میں غوطہ لگا کر دھو۔ وہ بھی بک
جل کر رہتا ہے۔ اُس کے اوپر نیچے زبردست آگ مشتعل ہے۔ کیا خوشی سے سمندر کا بیتا ہوا
روتا ہے؟

ہم تم بھی روتے ہیں۔ ہم رونے کا وقت جانتے ہیں۔ دکھانے کے لئے دیکھ ہی سکتے ہیں۔
اندو! ہم یوگنی ہو۔ ہنسو گی کیوں؟ ہنسی کو بھی موت کی گود میں پناہ لینا پڑتی ہے۔ بیول

مرنے کے لئے ہی ہنستا ہے۔ بجلی مرنے کے لئے بھی چمکتی ہے۔ شب بزم ہنستے ہنستے ہی مر جاتا ہے۔
اس لئے اندوختی اتم روؤ۔ ہم نہیں اس دنیا کی مہارانی کیلئے۔
مزید راتھ نے اندوختی کے گالوں سے آسنو پوچھ کر کہا: ”پھیلا اُن سب باتوں کے سوچتے کی
ضرورت نہیں۔“
اندوختی سے کوئی جواب نہیں دیا۔

اکٹھواں باب

دشمن

انسان کو قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوشی کے سر پر ہر وقت غم منڈلایا کرتا ہے۔
دم کے دم میں خوش شہمتی کا ستارہ بد نصیبی کے بحرِ ذخا میں غرق کر دیتا ہے۔
گو بند پور کے زمیندار بابو گو بندھو گھوش تھے۔ گو بند پور، آئند پور سے ذرا فاصلہ پر تھا۔
اسی وجہ سے رائے مہاشے اور گھوش بابو سے عرصہ دراز کا ربط ضبط تھا۔ مگر زمیندارنا تھی
شادی کے بعد رائے کے معاملہ میں دونوں میں کچھ خج چل گئی تھی۔ اسی وجہ سے آپس میں ایک
دوسرے سے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ بہت زیادہ مہمان نوازیوں سے انسان بات کرنے
تک کار وادار نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ دشمنی پڑھنے لگی۔ اسی وجہ سے بہت سی سازشیں کی
گئیں اور جعلی مقدمے بنائے گئے۔ مگر دھرم کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے۔ گھوش بابو نے جھوٹا
بے تیزی برپا کئے تھے۔ رائے مہاشے ان سب میں مہتاب ہوئے۔ گھوش بابو کو سزا ہوئی۔
انے جہانے کی خواہش نہیں تھی۔ وہ وہ انہیں جیسا نہ پہنچا سکتے تھے۔
گھوش بابو بہت زبردست تھے۔ رفتہ رفتہ جھگڑے بڑھتے گئے۔ اور ایک معمولی مقدمہ
میں گھوش بابو کی تمام جائیداد کا حلفا یا ہو گیا۔

اتفاق یہ وہ بیمار پڑے۔ بیمار رائے لگا بزموت پر دراز ہوئے۔ بیٹے کو بلا کر کہا۔ جس طرح
تکلیف دہ، اسی کوشش کرنا کہ رائے کے گھر میں کوئی چراغ تک جلائیو والا نہ باقی رہے۔
اگر یہ نہ کر سکو۔ تو کسی طرح اس خاندان میں کلنگ کا ٹیکا لگا دینے کی کوشش ضرور کرنا تاکہ

دنیادان کی انگشت نمائی کرے بیٹے نے باپ کی آخری نصیحت بڑے خور سے سُنی اور باپ کو اطمینان دلا یا۔

پھر قول گو بند جھوٹو کھوش کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد رائے مہاشے کو کسی طرح زیر نہ کر سکنے پر کلنک لگانے کی کوششیں کرنے لگا۔ سوچ سمجھ کر اُس نے ایک سہل راستہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا۔

نواں باب

گورمنی انسانی قوم کی اہل اہلی۔ صرف یہیں تک معلوم تھا۔ نام کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق تھا۔ گورمنی اس قوم میں یہ بات نہیں لکھی تھی۔ گورمنی کے ساتھ گورنگ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ گورمنی اس دنیا میں ہے یا نہیں۔ سو تو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ گورمنی بیوہ تھی۔ یا کہ معلوم نہیں۔ مگر سادے کپڑے پہنتی تھی۔ ہانگ بس سینہ پر کا ڈورا نہیں تھا۔ بڑا درخت جیسے تیل اور سینہ پر لگاتا ہے۔ گورمنی پہلے بھی نہیں لگاتی تھی۔ گورمنی چاروں برہمنوں میں سے کس برہمن میں تھی۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے۔ اُس کا رنگ کسی قدر سبز لگتا تھا۔ کچھ بہت خوبصورت نہیں تھی۔ بلکہ حط و خال بھدے تھے۔ وہ گلے کی بڑی شائق تھی۔ ادا درسیلی تھی۔ اسکی نرم مزہ سخیوں میں بہتوں نے ایذا دل بھینسا دیا تھا۔ سب کہتے تھے۔ گورمنی سدھ عورت ہے سے ایک بار چھو لیتی ہے۔ وہی سدھ ہو جاتا ہے۔ اسان ہی کیا بلکہ اُس کے ہات کا چھو اٹھنا کھانا بھی لذت ہو جاتا ہے

موصول میں بھول [ترکاری کا شوربا] اور طبیلہ میں ترکاری کا مزہ آتا تھا۔ گورمنی میں اتنے گن تھے۔ پھر کیوں نہ لوگ کھینچتے۔

ایک دن رات کو گورمنی خود ہی گاری تھی۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا گورمنی دروازے کی کھٹکھٹا ہٹ سنکر ساڑ کی طرف ناک سے پھنکارنے لگی۔ مگر دروازہ نہیں کھولا اس وقت وہ اپنی ہنسی نہیں روک سکی۔ ہنسنے کو آغل میں چھپا کر آہستہ آہستہ ہنسنے لگی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ رات کو بھی نہیں مہین لینے دیتے۔ ابھی چوکیدار کو نکالتی ہوں۔

پھر کہہ دو کا نام سن کر انہوں نے نہایت ہی مخالفت ہوئی۔ آہستہ آہستہ بولا "میری گورمینی بدروازہ کھولو۔ میں ہوں۔"

گورمینی نے زندگی بھر میں ایسی پیاری آواز نہیں سنی تھی۔ میری گورمینی! اس لفظ نے اس کے دل میں بجلی کا اثر سرایت کر دیا۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے گئی مگر کھول نہ سکی، دروازہ کے پاس ہی کھڑی رہی۔ جلد جلد کھولنے کے لئے کتنی بار خواہش کی۔ مگر ایک بار بھی ہمت نہ پڑتی۔ بالآخر وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئی۔ گورمینی اسے پہچانتی تھی۔ دیکھتے ہی خوشی سے پھٹولی نہ سمجھتی؟

آئے والے گھر میں داخل ہو کر گورمینی سے دروازہ بند کرنے کے لئے کہہ۔ وہ بند کرنے مضطرب انداز سے بیٹھ گئی اس شخص نے مات پکڑ لیا۔ مات پکڑتے ہی اس کی رگ و پے میں ایک بجلی کا اثر دوڑ گیا۔ سامنے بیٹھے پر گورمینی کانوں میں اس شخص نے کیا کہا۔ کہ معلوم نہیں کیوں گورمینی کو جسے غش آ گیا۔

گورمینی نے اس شخص کی باتیں نہایت ہی غور سے سُنیں۔ اور غور کرنے لگی۔ اس کے بعد ارادہ کیا۔ کہ ضروریہ کام کروں گی۔ اور اگر اس کام میں مجھے حان دینے کی بھی ضرورت پڑی۔ تو اس سے بھی دریغ نہ کروں گی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سوچ سکی، یکایک اس نے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ وہ سوچنے لگی۔ دل میں بسوگے کیا؟

جواب :- بیٹھتے بیٹھتے ہی بیٹھوں کا مقصد براری کے لئے تو ضرور ہی بیٹھنا پڑیگا۔

سوال :- مقصد براری کے لئے بیٹھو گے۔ اس کا اعتبار کیا ہے؟

جواب :- مزید پچنگی کی کیا ضرورت؟ کیا آجکا آنا اس بات کی دلیل نہیں۔

سوال :- کسی اور کام کے لئے آئے ہو۔ پھر کیونکر یقین آئے۔

گورمینی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے کسی کو مٹی میں ملانے سے کیا فائدہ؟

سوال :- اگر کام کرنے بعد کہیں چلے جائیں۔

جواب :- کہاں جاؤ گے؟

سوال :- جہاں اس کی خواہش ہو۔

جواب :- کیا گورمنی کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ بالکل غیر ممکن ہے کہ گورمنی اپنا گھر چھوڑ کر
سوال :- تم کیا کر دے؟ کوئی نئے تو نہیں ہو۔ کہ کچھ بڑا بھلا کر سکو گے؟
جواب :- میں نئے نہیں۔

آجک آئے والا شخص گورمنی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رہ رہ کر گورمنی منہ نہاتی جاتی تھی۔
اس سے اُسے کچھ خوف معلوم ہوتا تھا۔ مگر گورمنی نے ہنس کر کہا۔ چاہے میری جان چلی جائے
مگر کام ضرور کروں گی۔ وہ شخص خوش اپنے گھر آیا۔

دسواں باب

صبح ہوئی گورمنی بستر سے اٹھی۔ جلد جلد اپنا کام ختم کر کے رائے ہاٹشے کے کی طرف
روانہ ہوئی۔ کیوں؟ نہیں کہہ سکتے۔ مگر کسی خاص مقصد سے ملی۔ گورمنی کے مکان سے
رائے ہاٹشے کا مکان کچھ بہت دور نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا راستہ
تھا۔ بیچنی سے وہ رائے ہاٹشے کے مکان میں داخل ہوئی۔ اس وقت تقریباً آٹھ بجے
تھے۔ رائے ہاٹشے کی بیوی سو کر اٹھی تھیں۔ گھر کے اور لوگ مالک سے پہلے ہی اٹھ چکے تھے
مالک نے گورمنی کو صبح صبح دیکھ کر کہا۔ کیوں گورمنی! اتنے دنوں تک کہاں تھیں۔ زبرد
کی شادی کے بعد تو ایک دن بھی نہیں دیکھا۔

گورمنی رائے ہاٹشے کے گھر کی ٹائن تھی۔ اگر وہ گھر کی ٹائن نہ بھی ہوتی۔ تو بھی مالکن
گورمنی کو بہت پیار کرتی تھیں۔ گورمنی ہمیشہ رائے ہاٹشے کے گھر جایا کرتی تھی۔ کوئی
ردگ ٹوک نہیں تھی۔ یہ بات صرف مالک کی وجہ سے حاصل تھی۔

گورمنی نے مالک کی بات سنا کر آہستہ سے کہا۔ اُس دن موسیٰ جی آئی تھیں۔ وہ گھر جاتے
ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ آج تقریباً دو ماہ بعد واپس آئی ہوں۔ اسی وجہ
سے آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔

گورمنی نے سب باتیں چھوٹ کہیں۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ گورمنی کو اپنا کہنے والا کوئی
نہیں تھا۔ وہ کبھی اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی تھی۔ رہے تک بھی کہیں جائے گی

یا نہیں۔ جانے کی جگہ تو تھی۔ لوگوں کے گھر بھی تاشن کے لئے سب کچھ ہیں۔ مالک نہایت ہی سادہ لوح تھیں۔ اس لئے انہوں نے گورمنی کی بات پر یقین کر لیا۔ بولیں: میرا خیال ہے تو نے آجکل میری بہو کو نہیں دیکھا۔ جا دیکھ جیسے سوئے کی موڑتی۔ میری بہو کتسی ستی ہے قدرتنا اندو متی کا حسن و ملامت ساؤن کے پانی کی طرح زور شور سے رماں دواں نظر آتی تھی۔ اس کے جوہن کا اٹھارنا ایک میل و ملاپے روزا فزون ترقی کرتا جا رہا تھا گورمنی کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ وہ کسی کی تعریف سن کر کبھی خوش نہیں ہوتی تھی۔ کسی کے شک کے بات سن کر اس کے تلووں میں جیسے آگ لگ جاتی تھی۔ مت کو کچھ میں بولی:۔
ایسی خوبصورت بہو! یہ کہہ کر وہ کھانسنے لگی۔

مالک نے سوچا کھانسی آتی ہے۔ اسی وجہ سے بات جبری طرح نکلی ہے گورمنی کا ہاچی پچہ نہیں سبھا۔ بولی: شاید ابھی تک نہیں اٹھی۔ بیماری تمام دن کام کاج کرتی رہتی ہے۔ ذرا بیٹھ تو یہی گھر جاتے ہوئے دال چاول لیتی جانا۔

گورمنی حسوت رائے مہاشے کے گھر آئی تھی مالک اسے دال چاول دیا کرتی تھی۔ پہلے کی طرح آج بھی دینے پر تیار ہوئی۔ گورمنی نے کہا: کیا دال چاول کے لئے آئی ہوں آپ کے نکسے میرے سات پشت کی پردر شس ہوتی آئی ہے۔ آپ جانتی ہیں میں کھیت کے پاس سے آرہی ہوں۔

کھیت کا پورا نام کشتیر منی تھا۔ گورمنی حقارت سے اسے کھیت کہہ کرتی تھی۔ کشتیر منی راستے مہاشے کی بیوی کی داسی تھی۔ اس وقت گورمنی محل کے اندرونی حصوں میں گھسٹنے لگی۔ مگر کہیں اندو متی کا پتہ نہ چلا اندو متی کو بدنام کرنا ہی اس کا مقصد تھا۔ کھیت منی کے پاس سے آرہی ہوں۔ یہ بھی براہر جھوٹ تھا۔ یکا یک کشتیر منی گورمنی کے سانسے آکھڑی ہوئی۔ گورمنی نے سانسے ہنسنے کہا۔ کیوں بہن اب تم سویرے نہیں اٹھتیں۔ بڑے لوگوں کے گھر میں رہنے رہتے خود بھی بڑی بن گئی ہو۔

کشتیر منی نہایت ہی سادہ لوح لڑکی تھی۔ اس طعن آمیز گفتگو کا مطلب سمجھ سکتی بولی: کیوں بہن! میں تو بڑے سویرے اٹھتی ہوں۔ تم کب آئیں؟

ان باتوں کی کیا ضرورت ہے۔ نہیں دیکھا گویا دنیا دیکھ لی۔
 کشمیر میں گورمتی نے کوئی تصور کیا ہے۔ بجاہت آمیز لہجہ میں بولی۔ بہن
 میں داسی یاد ہی ہوں۔ موقع پانے پر ہی تو ملوٹھی۔ پرانی غلامی کرتے ہی ہماری زمین کی گدہ
 گئی۔ یہ کہہ کر وہ چلنے لگی گورمتی نے پھر کہا: ذرا بیٹھو تو بہن! اتنے دنوں بعد ملاقات
 ہوئی۔ دو ایک شکہ دکھ کی باتیں نوکر و۔
 کشمیر میں گورمتی: بہن میرا شکہ دکھ کیا۔

گورمتی نے دیکھا کشمیر میں جتنی طرح باتیں نہیں کرتی شاید بات چیت کرنے کی اس کی خواہش
 بھی نہیں ہے۔ اس لئے اپنا مقصد حل کرنے کے لئے بولی: بہن! یہ کہاں گئی؟ یہ کبکہ
 تھکے تھکے کر لیا کشمیر میں اس کی یہ حرکت نہیں دیکھی بولی: کھڑکی کے پاس جا
 باغیچہ میں ہوگی بہن! بڑی خوبصورت ہو ہے۔ گورمتی اس وقت پاؤں ٹپکتی ہوئی جلدی
 جلدی باغیچہ میں گئی۔ دیکھا اندومتی وہاں ہی ہے۔ ناک سکوڑ کر بولی: کیوں بہو! یہاں
 کیوں۔ رانی ہو کر رہیں پر بیٹھی ہو۔

اندومتی توجہ کے ساتھ پھول چننے میں مصروف تھی۔ گورمتی کی بات نہیں سن سکی۔
 گورمتی کو غصہ آ گیا۔ ورا داسی بات پر غصہ ہو جاتا۔ اس کی جتنی عادت تھی سرخست
 لہجہ میں بولی: واہ! اس قدر دماغ! پر پتھر پڑے تھکے تھکے۔ بڑے لوگوں کی بہو ہونے پر
 غرور کیاؤں تے رکھنا پڑتا ہے۔ یہ غرور بہت جلد جو رہ جائے گا۔

اندومتی گورمتی کو نہیں پہچانتی تھی۔ سسرال میں آکر بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی
 وجہ سے گورمتی کی ان طعن آمیز باتوں کو سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ مبولی
 کیوں سہی۔ گالی کیوں دیتی ہو۔

گورمتی نے پھر صدیں پڑھالیں اور طعن آمیز لہجہ میں بولی: مجھے نہیں پہچانتی؟ میں
 تیرے لئے جم ہوں۔

یہ کہہ کر گورمتی جلدی جلدی دباؤ سے چلی آئی۔ دیکھا ڈو پے ٹھا کر ادھر ادھر گھومتے
 ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ شر باز نظریں ڈالتی ہوئی گورمتی دباؤ سے چلی گئی۔

گیارھواں باب

خونفاک خواب

تقریباً دس بجے رات کا وقت تھا۔ اندومٹی نے اپنے ہاتھ سے اپنا بستر بچھایا، باغیچہ سے جو پھول لائی تھی۔ وہ چاروں طرف قرینہ سے رکھے مسہری کی محال میں جوہی کے متعدد ہزار لٹکانے پھول کی پونے خوش سے تمام کرہ منظر و منہر ہو رہا تھا۔ اندومٹی پلنگ پر بیٹھی ہوئی نریندر ناتھ کا انتظار کرنے لگی مگر نریندر ناتھ نہیں آئے رفتہ رفتہ رات بھیننے لگی۔ جوں رات زیادہ جاتی تھی اندومٹی کی بیچینی اور گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی اب آتے ہیں۔ اب آتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ کھڑی ہو جاتی تھی۔ گریباؤں سے ہو کر پھر بیٹھ جاتی تھی کبھی فرط اضطراب سے آنکھ کر دروازہ کے پاس جاتی۔ دیکھتے دیکھتے کتنی ہی دیر ہو گئی۔ پھر بھی نریندر ناتھ نہیں آئے۔ اس وقت اندومٹی پانگلوں کی طرح کھبرا اٹھی۔ اور اپنے بال بکھیرنے لگی۔ پھول بکھر گئے۔ مجبوراً پلنگ پر لیٹ گئی۔ تمام تر پھیول بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھ چھپک گئی۔ اور خواب میں دیکھنے لگا۔ آسمان کے مغربی حصہ میں جیسے زبردست آگ لگ گئی ہے۔ دودنیا ہوا سورتج ایسا نظر آتا تھا۔ گویا آگ کا شعلہ ہے۔ اور تمام دُنیا کا آگ کے روپ میں ملائے کے لئے۔ آسمان کی سرخی شعلہ زن آگ کی طرح سب کو ایسے ریٹ میں لپٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ خونفاک آگ ہر طرف شعلہ زن نظر آرہی تھی۔ رات کی تمام تاریکی نے اس آگ میں جھلک آگ کا روپ اختیار کر لیا۔ بیچ بیچ میں وہی مشتعل آگ اپنے مغلوں کو ساتھ لئے ہوئے ایک ہی جھپٹے میں کائنات کی ہر چیز کو اپنے آگ میں جذبات کرتی جا رہی تھی۔ آفت اکیسی روبروست آگ تھی اب ہر چیز آگ کا شعلہ دکھائی دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آگئی۔ وہی مشتعل آگ محلی کے کوندھوں کی طرح کر دکھتی ہوئی۔ تمام کائنات پر ایسا سکہ بٹھا رہی تھی۔ اس خونفاک آواز سے جیندیرند سب خائف نظر آ رہے تھے۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ گویا اسی آگ میں جل رہا تھا۔ اندومٹی بھی اسی آگ میں حل کر اپنے خاتمہ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس خوف سے اس کا جسم ہوا کے ورے ہاتے ہوئے کیلے کے پتے

کی طرح کا پنپنے لگا۔ وہ جیسے شیشاں میں پہنچ گئی۔ اور نیم سوختہ لکڑیوں کی طرح سلگنے لگی معلوم نہیں کون اس نظارے کو دیکھ کر زور زور سے ہنس رہا تھا۔ اور مسخر آمیز فقرے چست کرتا تھا۔

یہ ایک ایک شعلہ آکر اندومتی کے کپڑوں میں پڑ گیا۔ اُس کا کپڑا جلنے لگا۔ اس وقت اندومتی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ایسے روپکارنا شروع کیا۔ اسے مصیبتوں کے دور کر نیوالے شری مدھو سوڈن لکھے نہ جلانا۔ ابھی تک میں نے اچھی طرح اپنے دیوتا کی یوگا نہیں کی۔ یہ کہتے کہتے اسے ایسا احساس ہوا۔ گویا اُس کا آدھا بدن جل گیا۔ پھر بھی وہ اپنی درخواست پیش کرنے سے باز نہ رہی۔ حقیقت آمیز لہجہ میں ایسٹو کے روپ جو جلاتی ہی رہی۔ اُنسی لئے دیوتا کی ہر شے کا طریقہ سیکھا تھا۔ دیالے! ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ گویا آدھا جسم جل گیا ہے ناہم رحم و کرم کی امید دار ہوں۔ میری رکشا کرو۔ جس جہم کی دکھاری ہوں۔ مگر ایسٹو نے اسکی اس رقت اتر مت و سماج پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اگر سُن لیتے تو دنیا میں اُسے اور کس چیز کی خواہش تھی۔

صرف یہی دکھائی دیا۔ اُس شعلہ زن آگ میں ایک نہایت ہی پاکیزہ صفات نازنین لمبی لمبی لٹکیں چھٹکائے گیر وئے کپڑے پہنے۔ ترسٹون لئے ہوئے کھڑی ہوئی ہے۔ اُسے دیکھ کر اندومتی کو کس قدر حوصلہ ہوا۔ اُس مورتی نے اندومتی کے دل سے جیسے تمام خوف نکال دیا۔ اور محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ بیٹی! تو کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔ تجھ پر زبردست مصیبت آئی والی ہے۔ طرح طرح سے تیری آزمائش کی۔ یہ آخری امتحان ہے۔ اس مرتبہ طرح طرح کے دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر اس امتحان میں پوری اُتری تو تجھے سو رگ ملیگا۔ تیرے دیوتا کی یوگا کا اندازہ ابھی سے لگایا جائیگا۔ دُنیا خوفناک جگہ ہے۔ یہاں لالچ کا راج ہے۔ اس لالچ میں بڑکر دیوتا کی یوگا نہ بھول جانا۔ دم بھرا اسی قسم کی گفتگو کرتے ہوئے وہ نازنین اُسی شعلہ زن آگ میں مل کر ایک ہو گئی۔ اندومتی نے پوچھا۔ ماں! بارہا امتحان لے چکی ہوں۔ پھر یہ آزمائش کیوں؟ ان امتحانات کا مصعب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہے۔ ماں! یہ تنہا ہی کیا ریت ہے۔ آگ کے اندر سے پھر جواب ملا۔ بیٹی! جتنی

بار آؤدائش کی ہے۔ تو پوری اُتری ہے۔ اس مرتبہ تجھے صرف سو رگ لیجانے کے لئے آیا دائش کی جارہی ہے۔

اندو متی نے اس نازنین کو دیکھنے کے لئے خواب میں ہی پھر آنکھیں ملیں۔ مگر دیکھ نہ سکی۔ اُس نے سوچا تھا کہ اور بہت سی باتیں پوچھوں گی۔ مگر وہ بھی دل ہی دل میں رہ گئی۔ اُس وقت اُس کا تمام جسم جیسے آگ میں جل رہا تھا۔ آگ کی تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ خوف سے چلا اُٹھی۔ پھر بستر پر ہات پھیلا کر دیکھا۔ زریذہ ناتھ نہیں ہیں۔ اس کا دل اور بھی کانپنے لگا۔ سمجھ گئی کہ یہ خواب تھا۔ مگر یہ جاننے پر بھی دل کو ڈبا اس نہ دے سکی۔

اندو متی کے خواب میں ڈرنے سے پیشتر ہی زریذہ ناتھ گھر آگئے تھے۔ مگر یکا یک کمرے میں نہیں داخل ہوئے۔ دروازے کے پاس ہی کھڑے ہوئے اندو متی کے حسن کا نظارہ دیکھتے رہے۔ دیکھا۔ اس سیاہ بالوں کے درمیان گویا بجلی منس رہی ہے۔ تیز روشنی کے سا یکا یک لگا ہیں نہیں ٹھہر تیں۔ جیسے آسمان کی طرف دیکھتے ہی دلدل کہتا ہے۔ اگر دیکھیں گے تو سر پھوڑ دوں گا۔ جان لے لوں گا۔ اسی وجہ سے کوئی بجلی جکتے ہوئے نہیں ڈالتا۔ چھپتے کی ہر جھینک کو مست کی۔ مگر اُس بجلی کی تھلی کا جلوہ تمام کمرے میں نظر آیا۔ خواہ اس ہونے پر بھی زریذہ ناتھ اُس پر خود نظارہ کی تاب نہ لائے کہ دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ اگر ہزاروں آنکھیں ملتی تو بھی شاید نظریں نہ ٹھہرتی۔

جو وہ جیسے ہی اندو متی چلائی۔ ویسے ہی زریذہ ناتھ نے اسے پکڑ لیا۔ اندو متی بھی زریذہ ناتھ کو اپنی آغوش میں دبا کر کانپنے لگی۔ زریذہ ناتھ نے نہایت ہی بتیا مانہ انداز سے پوچھا اندو! کیا ہوا۔ چلاتی کیوں ہو!

اندو متی کا خوف اتنا بک دور نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے زریذہ ناتھ کی بات کا کوئی حق نہ دیکھی۔ زریذہ ناتھ اور بھی متحیر ہوئے۔ بولے اندو! یہ کیا کر رہی ہو! کیا ہوا!

یہ کہتے کہتے زریذہ ناتھ نے دیکھا کہ اندو متی عرش کھا کر زمین پر پڑی ہے۔ اُس وقت علی علی اندو متی کو اٹھا کر اپنی گود میں دبا لیا۔ سر پر پانی چھوڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد اندو متی کو ہوش آیا۔ زریذہ ناتھ نے پھر محنت لوج میں کہا۔ اندو! بہت مشک سے کیا؟

اندومتی نے آہستہ آہستہ کہا: ”نہیں“

نرمندر - پھر کراہ کیوں رہی ہو؟

اندومتی نے اسوقت اپنے خواب کا تمام قصہ سنایا نرمندر اٹھ کر ہنسنے لگے۔ بولے۔

معلوم ہوتا ہے تم بالکل پاگل ہو۔ خواب کیا کبھی سنا ہوتا ہے؟

اندومتی خاموش ہو گئی۔ نرمندر اٹھ اسوقت اندومتی کے خواب کی تعبیر پر غور کرنے لگے۔

بارہواں باب

دوبے ٹھاکر

عورت مقناطیس ہے۔ اس کی کشش سے انسان خود بخود کھینچتا ہے۔ اور اپنی

جان دیتا ہے۔ مسمولی ہوا کے جھونکے جیسے سمندر کی لہروں کی ساتھ کھراتے ہیں۔

اسی طرح انسان کا بھی حال ہے۔ وہ بھی، اپنے ہستی بھول کر حسن کے مجر بیکراں

میں ناز و انداز کی لہروں سے نڈراتا ہے۔ سونے کی دُنا مٹی میں ملا دیتا ہے۔

ہما دیو دوبے ایک دن اکیلا۔ ایک عورت کی تر بھی چٹنوں سے گھائل ہوئے تھے۔

اُنھیں تر بھی چٹنوں نے اُن کے دل میں اسوقت ایک قلمکھیا دیا تھا۔ اسوقت اُنھیں

کچھ نہیں سوتھتا تھا۔ دن رات اسی خیال میں محو رہتے تھے۔

ہما دیو دوبے کی خوفناک اور مارعب شکل دیکھ کر قہر دل تک کو بھیک مانگنے کا حوصلہ

ہمیں ہوتا تھا۔ فقیر دروازہ تک جاتے تھے لگراں کی ہداساک شکل دیکھ کر واپس آجاتے

تھے۔ اُس دن دوبے ٹھاکر مہرخ بنات کا جامہ زیب تن کئے ہوئے دروازے پر بیٹھے

تھے۔ اور نہ معلوم کس خیال میں غرق تھے۔

بڑی خوفناک اور تاریک رات تھی۔ ہر چہار طرف سننا اُجھایا ہوا تھا۔ بات کو بات

نہیں سوتھتا تھا۔ بے ٹھاکر خیالات کی اوڈھیر ٹن میں مصروف تھے۔ عین اسی وقت

ایک عورت آئی اور دوبے پر اپنے آتشیں بان چھوڑے زخم پر مک چھڑکنے سے

سے جو حالت ہوتی ہے ان نگاہوں نے بھی دہی کام کیا وہ اس نگاہ منہجر کار کا

نہ لاسکے۔ ایسی عورت سے ڈرو۔ دھڑک کر پریم کی بھیک مانگنے کی ان کے دل میں بہت آرزو ہوئی بولے۔ دیکھو سندی اہم بڑی خوبصورت ہو۔ تمہارے روبرو میں ہوں جیسا ہوں عورت کے جسم پر ہات رکھ کر دو بے ٹھاکر جیسے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ ویسے ہی وہ بات بھیک کر لولی۔ حرکت جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ یہ کہہ کر اس نے پھر انھیں لگا ہوں کے تیر چلائے۔ دو بے جی روانہ کی طرح اس مجمع حسن پر تار مو گئے اور تیز دوہو کر گمانے لگے۔

ہائے احب ہم تم بن کیسے
آؤ آؤ پیاری ہماری تم پر میں بہاری
جیب ہم کیسے۔ تم بن ہائے

عورت کھلکھلا کر مس پڑی۔ دو بے جی نے پھر دہرایا۔ ”جیب ہم کیسے“ عورت نے پھر کہا جیب کھفت۔ یہ کہہ کر اس نے پھر پیشہ ہوئے انھیں نگاہیں تیر تیرام دو بے جی اس مرتبہ ریت خطی ہو گئے جلدی جلدی بولے آؤ پیاری آؤ۔ یہ کہہ کر عورت کا ہات کھینچنے لگے اسوقت گور متی نے ایک عجیب و غریب مہر ترقی دھارن کی بات جھٹک کر دلی۔ کیوں یا جی جسم پر ہات کیوں لگاتا ہے؟ کھڑا تو رہا۔ ابھی تیرے سر سے بھوت اُتار فی ہوں۔

گور متی کی یہ خوفناک صورتی دیکھ کر دو بے جی ذرا سرک کر اکیہا گہرا سانس لیا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے جس سے لائے میں بان دیے تک گر نہیں کرتا رہ تو میری طرف آنکھ کر دیکھنی بھی نہیں بلکہ ناراض ہو رہی ہے۔ یہ کیسی بے انصافی ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ اسوقت معذرت کرنی چاہئے۔ یہی سوچتے سوچتے بولے ”پیاری اب زیادہ کیوں نہ کہہ کر ہی ہوں میں تو تمہارا اعلام ہوں۔ جو کہو گی۔ وہی کروں گا۔“ گور متی ہی۔ اتنی ہی۔ گو یا اندھے کو آنکھیں مل گئیں۔ اسوقت گور متی نے شانت موتی دھارن کر لی۔ دو بے جی پیو لے نہ سائے۔ طرح طرح کی ہنسی دل لگی ہونے لگی۔ موقع پا کر گور متی نے نہایت ہی پیار و محبت کا اظہار کرتے ہوئے ایک بات کہنی شروع

کی معلوم نہیں۔ اُس نے کیا کہا۔ کہ وہ بے جی سنتے ہی کانپ اٹھے۔

گورمنی نے کہا۔ واہ! اس معلوم ہو گیا۔ کہ تم مجھے اس قدر پیار کرتے ہو۔ تم ت اور کیا اُمید رکھتے؟ پھر کہہ کر اُس نے پھر کہہ کر اُس نے پھر ان پر دہی تر بھی نظریں ڈالیں۔ دوپے جی خاموش رہے۔ گورمنی کی بات سن کر ان کا سر جھکا گیا۔ ہر چار طرف اُنہیں سننا نظر آنے لگا۔ اور اس کی بات کے جواب دینے تک گئی طاقت سب سو گئی۔ گورمنی دو بے جی کے قریب جا کر پھر پیار و محبت کے سہراغ دکھانے لگی اور بولی دو بے جی! تمہیں کسی قسم کا خوف نہیں صرف مجھ خط ہینا دو۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک ڈاک لکھا۔ اور اُس پتہ پر اُس کی ترکیب ذہن لکھیں کرادی۔ طرح طرح کی باتیں بنا کر انہیں بخود بنایا۔ کسی طرح اس خط کا ازمائش ہو۔ اس کے متعلق بہت کچھ کہا۔ ڈاک دینے کے بعد ہی وہ ہمیشہ کے لئے دو بے جی کی ہوا مٹ گئی یہ بھی کہا۔ اس وقت دو بے جی خط لے کر رام رام کہتے ہوئے چلے گئے۔

تیرہواں باب

پر قول اور گورمنی آسے سامنے بیٹھے ہوئے اندوختی ورنیدر ناتھ کے متعلق سوچ رہے تھے کس حکمت سے اندوختی اور نرنیدر ناتھ کے دلوں میں میل آ جائے۔ وہ اسی فکر میں غرق تھے۔ گورمنی کی خواہش پوری ہوئی۔ پر قول اس وقت اس کے دامن محبت کا اسیر ہو چکا تھا۔ گورمنی بھی پر قول کا پکار کر کے لئے بیچین ہو رہی تھی اپنی نیکیاں اور بدنامی کا خیال جاتا رہا تھا۔ عہد کیا تھا۔ کہ جاہے جان ملی جائے۔ مگر پر قول کو جو قول دیا ہے۔ اسے پورا کروں گی۔

گورمنی نے اُس دن دو بے جی کی آڑ میں ایک میاں ملی تھی۔ مگر اُس میں اُسے کو وہ قدر کا میاں بی ہوئی وہ اپنے دل ہی دل میں نہراووں ترکیبیں سوچتی تھی۔ مگر ان سے ایک کا اظہار بھی پر قول سے نہ کیا۔ پر قول نے بھی دعا کی۔ کہ گورمنی کے دودھ کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ راپ کے کام میں بڑی رکاوٹیں آئی ہیں گورمنی

ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسوقت اس کا دل چین ہو گیا۔ مگر اپنے جذبات اور حالت پوشیدہ رکھنے کے لئے وہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگی۔ اور پرتول کو مخاطب کر کے کہا۔

”دیکھ کر تم کو نہیں معلوم کیوں + دل بہرا تھا۔ میں رہتا ہے نہیں پرتول کی توجہ کسی اور طرف۔ گورمتی بات بات میں اشارہ کرتی تھی۔ پرتول کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر ہی اوپر کا شعر پڑھا تھا۔ شعر سن کر پرتول کو ہنسی آگئی۔ اس نے ہنستے ہنستے کہا۔ گورمتی انہیں شاعری کا شوق کب سے ہوا؟

گورمتی اس مرتبہ کوئی شعر نہیں کہا۔ صرف اس قدر کہا۔ جب سے بہتیں پایا۔

پرتول نے گورمتی کی طرف اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ یہ نگاہیں گورمتی کے دل کو چھدی تھیں۔ انہیں اندرونی حصوں تک پہنچ گئیں۔ وہ بیخود ہو گیا۔ سورت کا مزہ آنے لگا۔ دنیا کو چھوڑ کر جیسے کسی ایسے مقام میں پہنچ گئی۔ جہاں دنیاوی تکالیف کا نام و نشان نہیں۔ اس ہمنام میں فکر و آرام کی لہریں موجزن نہیں ہوتیں صرف سکھ ہی سکھ ہے ہر چار طرف شانتی ہی نظر آتی ہے۔ گورمتی وہاں سے واپس آنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی شانتی کے بحر یکساں میں غوطہ کھا رہی تھی۔ مگر شکھ عارضی ہوتا ہے۔ کسی کی قسمت میں

ہمیشہ نہیں رہتا قدرت کا یہی قانون ہے۔ گورمتی کو بھی جلد ہی وہ جگہ چھوڑنی پڑی۔ اسوقت اس کے دل میں ہلکا سا طرح آب محبت سے اپنی پیاس بجھانے کی خواہش ہوئی۔ مگر پرتول سے کچھ نہ کہہ سکی۔ زبان پر جیسے کسی نے نہر لگا دی صرف تیروں سے گھاسل جانند کی طرح تڑپنے لگی۔ بار بار پرتول کی طرف متکبر نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پرتول نے آسانی گورمتی کی حالت کا اندازہ کر لیا۔ اپنے جذبات چھپا کر گورمتی کے چال چلن پر غور کرنے لگا۔ مگر آگ کی مشتعل چنگاریوں کو جیسے کپڑے میں نہیں باندھا جاسکتا اسی طرح گورمتی کے روبرو اس کی چالاکیاں کام نہ کر سکیں۔ گورمتی فوراً بھانپ گئی۔ اور ایک ایسا دلدہر گیت گایا۔ کہ خود ہی مست ہو گئی۔

جب گورمتی گارہی تھی۔ پرتول ایک مٹی کا ٹھرا لے ہوئے بجا رہا تھا۔ اسے سر

اور نال کا خیال نہیں تھا۔ وہ بجانا نہیں جانتا تھا۔ مگر گورمنی کو یہی بہت اچھا معلوم ہوتا
گنا ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کے جذبات کا بھی خاتمہ ہونے لگا۔ پرتول نے کہا۔
گورمنی! شاید ناراض ہو گئی ہو؟

گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ کیوں؟

پرتول۔ میں کھڑا بجا رہا تھا۔ وہی سنکر

گورمنی۔ نہیں۔ تمہارے بات میں بڑی صفائی ہے۔ اس بات کی تشبیہ کس سے دوں
میں کیا گاتی ہوں۔

پرتول نے پُر مذاق لہجہ میں کہا۔ شبیاما کے زمرے بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت
نہیں رکھتے۔

شبیاما حرجن گورمنی کا پڑوسی تھا۔ اس کا گلہ بیٹھا ہوا۔ گورمنی اس مذاق کو سمجھ گئی
مگر بڑا نہیں مانا۔ بلکہ کھٹکھٹا کر بیٹھے لگی۔ خرا دیر بعد پرتول نے پھر کہا۔ کہ اس وقت کیا کرنا
مناسب ہے۔

گورمنی پھر دبائے تفکر میں غوطہ زن ہو گئی سوچنے لگی۔ پرتول کی خواہش اگر نہ پوری
کر سکی۔ تو اس کے ساتھ زندگی کی بہار کیونکر لوٹ سکو تگی۔ یہ سوچتے سوچتے یکایک
گورمنی ہنس پڑی۔

پرتول نے گورمنی کو ہنستے ہوئے دیکھ کر کہا۔ گورمنی! ہنستی کیوں ہو؟

گورمنی نے مسرت آمیز لہجہ میں کہا۔ ٹھیک کیا

پرتول نے بتا باہ انداز سے کہا۔ کیا ٹھیک کیا۔

گورمنی۔ اس وقت وہ بات نہیں کہو تگی۔

پرتول نے گورمنی کی بات سننے کے لئے بڑی بے چینی کا اظہار کیا۔ گورمنی نے دل ہی دل

میں کہا۔ کہ پرتول سے ایک عہد کیا کراؤ تگی۔ مگر بہت ڈیڑی۔ اس خسو چا۔ اگر عہد کر لیتے

ہوئے اگر اس کے دل کو صدمہ پہنچا۔ تو نام آرمی پر اس پر جائے گی۔

یہ سوچ کر گورمنی نے پرتول کے کان میں وہ تدبیر بتائی۔ وہ سنکر بہت خوش ہوا

سوچا اتنے دنوں کی آرزو پوری ہوئی۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ گورنری کے گھر میں اسدن پرنس ہی آیا تھا۔

چودھواں باب

پھر راستہ میں

گورنری گھر کے سامنے والے گھاٹ پر بیٹھ بیٹھی۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ صورت سے بیکراری ٹپک رہی تھی۔ عموماً ایک شخص گورنری کے مکان کے سامنے سے آیا جایا کرتا تھا۔ وقت گزر گیا۔ مگر وہ شخص نہ آیا۔ گورنری نے سوچا۔ شاید وہ شخص آج نہیں آئیگا۔ اگر آنا ہوتا۔ تو اب تک آجاتا۔ اگر آج نہ آیا تو دو دن بعد آئیگا۔ اسوقت گورنری سے بات چٹھڑا کر بھاگ نہیں سکیگا یہ سوچ کر وہ گھر گئی۔ مگر جاتے جاتے ابک بار راستہ کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا وہ شخص گھوڑے پر سوار چلا آتا ہے۔ گورنری اندر نہ جاسکی واپس آکر راستہ میں کھڑی ہو گئی دیکھتے دیکھتے وہ شخص پاس آگیا۔ گورنری نے اسے منسکار کیا۔ اور نہایت ہی عاجزانہ مگر جیادہ لہجہ میں کہا۔ مہاراج! یہی ایک بات ہے۔

نریندر ناتھ نے گھوڑا کہا۔ کیا بات ہے کہو؟

گورنری نے کہا۔ مہاراج! ہم جیسے آدمی ہیں۔ ہماری بات پر آپ کو یقین نہ آئیگا۔ مگر میں زمین پر یا دل رکھ کر دھرم کو سانشی کر کے کہوں گی کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی اگرچھو کہوں تو میرے منہ میں کوڑھ ہو۔

نریندر ناتھ کو گورنری کی یہ باتیں سن کر غصہ آگیا۔ بولے۔ اگر تمہیں کچھ کہنا ہو۔ تو کہو گورنری کے دلبر حوت طاری ہوا۔ سوچنے لگی۔ کیا کہنا؟ کیا کہنا؟ زندگی کا خاتمہ کروں گی جب کہیں کی ہوں تو میرا کہنا ہی پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ گھر اٹھی۔ تمام بدن کانپ اٹھا۔ دل دھڑکنے لگا۔ زمانہ خشک ہونے لگی بات نہ نکلی۔

نریندر ناتھ نے بھر کہا کیا؟ کہتی کیوں نہیں؟

گورمتی نے پھر سوچا۔ پر قول کا کام نہ کروں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر جان بھی چلی جائے۔ تو مصافقہ نہیں مگر اس کا کام ضرور کروں گی۔ یہ سوچ کر اس نے زیندر ناتھ سے نہایت آہستہ آہستہ یہ معلوم کیا کہ کیا ہے؟

سُننے ہی زیندر ناتھ گورمتی کے جسم پر کتنی ہی چابک رسید کس۔ اور گھوٹے پر سوار ہو کر اُسے بھی ایک دو لگا تم۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا چلا۔ گورمتی روتی پرتی پہنچی۔ اور مکان میں داخل ہو کر دعاوازہ بند کر لیا۔ بیٹھے بیٹھے پاس کی زمین صاف کر۔ لئی۔ اس کے دل میں اس وقت یہ خیال آیا۔ کہ اب مرض کی دوا نہیں ہے۔ برہما کے۔ رستہ۔ اگر خود ہی آجائیں۔ تو بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف گورمتی ہوں اس وقت۔ ان کے کھانگے سے ہی بچ سکتی ہوں پر قول سے ضرور دل کر جاؤنگی۔ پر قول کیا میرا ہوگا؟ کہ۔۔۔ دل میں کہا ہے؟ مومن کہہ سکتا ہے؟

زیندر ناتھ کے دل میں کچھ دُور آئے کے بعد گورمتی کی باتوں نے طرح۔۔۔ نے شکوک پیدا کر دیے۔ ایک بار خیال آیا۔ ناٹن نے ایسی بات کیوں کہی؟ جھوٹی۔۔۔ سے اسکی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا اس نے نہیں سوچا تھا؟ ناٹن تو کبھی مات۔۔۔ نہیں کرتی تھی؟ ناٹن ماتد جیز کے مُردم۔۔۔ گویہ چیز ہا۔ اگر سر قول پر مصیبت آجائے۔۔۔ میں اُسے کیا فائدہ ہے؟

پھر سوچا ورحت کا پرندیکر مرنے سے ہی لوگ نام رکھتے ہیں۔ معمولی خانانا۔۔۔ جبر نہیں معمولی ہے۔ یا کیا۔۔۔ کی ایک لکڑی سے شادی کی۔ ممکن ہے اس کا حال جیسے قال اعتراض ہو۔ ایسے گھرانے کے لڑکے لڑکیاں عموماً آوارہ ہوتی ہیں تو کیا اندوشتی بھی ایسی ہی ہے؟ جیہی احب گورمتی کے دل میں بھی یہ بات آئی۔ تو دافقی بات صحیح ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں۔

یہ ایک زیندر ناتھ کا چہرہ اُتر گیا۔ معلوم نہیں ان کے دل میں کیا خیال آیا؟ ایک گہرا سانس لیا۔ پھر سوچا۔ اس دن بھی جھپک خانہ میں اسی کے۔۔۔ ایک خط پایا تھا۔ یہ خط کون دیکھا تھا؟ اس کے متعلق اب تک کوئی بات نہیں جان سکتا۔ اس میں بھی

اندوختی کے متعلق کتنی ہی مشکوک باتیں تھیں۔ میں اسے کسی پاگل کی ٹبر سمجھتی تھی۔ مگر اب سمجھتا ہوں وہ پاگل کی ٹبر نہیں۔ بلکہ سچی بات ہے۔ اچھا۔ اگر اندوختی کا چال چلن واقعی مشکوک ہے تو میں کیا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ وہ مجھے جیسے پہلے پیاری تھی اب بھی ہے۔ جو مجھے دم بھر ندی بھنے پر نہ معلوم کیسی ہو جاتی ہے۔ اس کا دل اس قدر ناپاک ہے۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا اندوختی کا منہ دیکھ کر سوزگ کی چیزوں کا خیال آتا ہے۔ ہائے وہ پاکیزہ شے ناپاک کی کوئی میں کیونکر یقین کروں گا؟

ماظرین! نریندر ناتھ نے اس سے پشیمتر جس خط کا ذکر کیا ہے۔ پھر وہی خط ہے جو دہلی جی ٹھیک خانہ میں رکھ آئے تھے۔ گوہر متی کی مجھ سے کے دام میں پڑ کر انھوں نے ایسا کیا تھا گھر والوں نے بھی نریندر ناتھ کی جڑ میں کلہاڑی ماری ہے۔ یہ کوئی کیسے سمجھے؟

یہ ایک نریندر ناتھ کے دل میں پرتول کے باپ کی دشمنی کی بات آتی تھیں۔ بھتیجی حالت اختیار کی۔ پرتول کا چال چلن اچھا نہیں تھا۔ پھر نریندر ناتھ مجھ سے جانتے تھے۔ اس لئے انھیں اب ذرا جی سبک نہ رہا۔ ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات لے گھر کیا گھوڑے سے اتر کر پھر گورنمنٹی کے مکان کی طرف سائیں کچھ دوریر تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے نریندر ناتھ گھوڑے پر سے گر پڑے ہیں۔ اس نے تیری سے قدم بڑھا کر گھوڑا پکڑ لیا۔ اور نریندر ناتھ کے پاس آیا۔ انہوں نے سائیں کو بھی دو تین چابک سید کہیں۔ او بھیناک ہو میں کہا۔ گھوڑا گھر لے جاؤ سو۔

سائیں گھوڑا لے کر گھر کی طرف چلا۔ راستہ میں جو چنے لگا۔ باپ کا فراج آج آج آج کیوں بگڑ گیا؟ وہ تو نوکر دوں پر کسی قسم کا ظلم نہیں کرتے تھے۔ نہ معلوم اس بے محنت گورنمنٹی نے کیا کر دیا؟ ابھی تو راستہ میں آتے آتے ابو جی کتنی خوش کر نیوالی باتیں کرتے تھے۔ ماں کے پاس آتے ہی کیا ہو گیا؟ اس کا تمام غصہ گورنمنٹی کے سر پر پڑا اس نے فیصلہ کیا کہ بھتیجی کے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ وہ گھوڑا لے کر گھر آ گیا۔ اس دن گھوڑے کو دانہ کم ہی دیا۔

نریندر ناتھ گورنمنٹی کے مکان کے پاس آئے۔ اور گورنمنٹی کو آواز دی گورنمنٹی! گورنمنٹی!

گورمئی زیندر ناتھ کی آواز سن کر گھر کے کونے میں چھپ رہی۔ اُس نے سوچا وہ اُسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔ اور اس بار اگر کچھ بچ گیا۔ تو جان ہی چلی جائے گی چاہے تو پھر بھی اچھے تھے۔ گورمئی کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ اتنے میں زیندر ناتھ اندر آ کر بولے۔ گورمئی امیر سے قصور کیا دیا کر کے میری ایک بات سنو۔

گورمئی مکان کے کونے میں کھڑی ہوئی سب کچھ سن رہی تھی۔ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔ اُس نے سوچا۔ دوا کا رگر ہوئی۔ مریض آسان ہو گیا کر دی دوا کھانا پسند کرتا ہے؟ جبراً کھانا پڑتا ہے۔ دوا پیٹ میں جانے سے تو بہت فائدہ کرتی ہے۔ دھوکا دیکر روتے روتے جیسے ہی کھڑی سے باہر نکلی۔ ویسے ہی زیندر ناتھ نے بتایا بانہ انداز سے پوچھا۔

بچھے یہ سب کہاں سے پتہ لگا۔

گورمئی روتے روتے بولی۔ مہاراج آپ لوگ بڑے آدمی ہیں۔۔۔
زیندر ناتھ نے بات کاٹ کر غضبناک لہجہ میں کہا۔ دیکھ اب تو اپنا مہاراج وغیرہ رہنے دے جلد سچی بات بتا۔ کسی بات کا خوف نہ کر۔

گورمئی نے ابروؤں میں لٹ ڈال کر کہا۔ وہ سب باتیں کہتے ہوئے مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے آنچل میں اپنا منہ چھپا لیا۔ اور سر ہٹا کر لبا۔ زیندر ناتھ نے اور بھی دما کر کہا۔ جلد بتا۔ ورنہ تیرا سر بھیڑ دوں گا۔

زیندر ناتھ نے گورمئی کو قہقہہ دکھایا۔ اور دل ہی دل میں سوچا۔ گورمئی بھی شاید کہنے سے ترقاتی ہے۔ جس گورمئی سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں۔ ذہنی گورمئی آج میرا مضحکہ اڑا رہی ہے۔ چھی اگر ممکن ہو اس زندگی کا خاتمہ کر دوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں اندو منی کو توبہ کے لئے خیر باد کہوں گا۔ اور کلنگ کا ٹیکا ایسی پیتانی سے مٹا کر سیکڑم بنوں گا۔

گورمئی اس وقت موقع پا کر ڈرتے ڈرتے عسائہ ہراس کے اندر تھا۔ سب کا سب زیندر ناتھ کے دماغ میں داخل کر دیا۔ بالآخر یہ بھی کہا۔ کہ رام بھدر کے درجہ سے ہی ان تمام واقعات کا ظہور ہوا ہے۔ شادی سے بہت پہلے ہی پر تول اور ماندوئی میں محبت ہو گئی تھی۔ یہ تمام باتیں گورمئی نے اس دل کس انداز سے کہیں۔ کہ زیندر ناتھ کو اس کے پاجی پن کا دار

بھی پتہ نہ لگا۔ اور بڑے غور سے وہ تمام باتیں سُنتے رہے۔ سُتے سُتے کبھی اُن کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ اور دانت بیٹے لگ جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی فرط غم سے زہیدہ کا کل جیسا چہرہ مڑھکا جاتا تھا۔ اسوقت بھی اُن کا تمام جسم جیسے شرم و نفرت کے سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ گورمیتی باتیں کہتی جاتی تھی۔ اور اُن کی حالت دیکھتی جاتی تھی، اسوقت اپنی سچائی کا پورا پورا ثبوت دینے کے لئے بولی۔ اس کا مدلل ثبوت بھی دیکھتی نہ ہوں۔

ترنہ شیر ناماٹھ گورمیتی کی یہ بات سُکر نے چین ہو گئے۔ سوچنے لگے۔ کبھی! اُس آنکھوں کو ابھی کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا اندھ مٹی میری سب کچھ ہے۔ میرے خاندان ہر ایک کا روشن چہرہ۔ سکھ کی تسائی۔ غم کا آئینہ۔ محبت کا پھول۔ پریم کا کنول۔ میرے خوشیوں کا جو کچھ ضروری۔ امان ہے۔ سب کچھ اُس میں موجود ہے۔ اس عالم خرابات میں بھی میرے لئے اس کی ہستی سوگ کی دولت ہے۔ جس کے چھوٹے سے سکھ ملتا ہے۔ جس کے دل بیمار میں جان آ جاتی ہے۔ جو اپنی باتوں کو کالوں میں امرت رس ٹپکاتی ہے۔ جس کو میں نے اپنا کہا تھا۔ جس نے مجھے اپنا نانا بنا لیا تھا۔ ہائے! کیونکر اُس کی کمزوریوں کا پتہ لگاؤں۔ کون جانتا تھا۔ کہ اس شیر میں درخت میں زہر کا خیل پھیلے گا۔ کون جانتا تھا۔ کہ کوئل کے مُرد میں زہر پھراؤں ہے۔ اور کھول میں کانٹے کی خاصیت ہے۔ چتہ پالیر گی میں کلنک — اور شہد میں زہر! اگر ہے تو ہونے دو میں قانون قدرت کے اس اصول کی خلاف ورزی کروں گا۔ بھہ بھج کی جالیں ہیں۔ میں خاطر میں نہ لاؤں گا۔ مگر سب کچھ ممکن ہے — پھر بھی غیر ممکن!!!

یہ سب سوچ کر ترنہ شیر ناماٹھ نے ہتھ کیا۔ گورمیتی نے مدلل ثبوت لینے کی ضرورت نہیں۔ مگر پھر نہ معلوم کیا خیال دل میں آیا۔ سوچا کلنک سے پھر پور کون نہیں دیکھتا۔ کنول میں کاٹا دیکھ کر کون اُسے نہیں قبول کرتا۔ دیکھنے میں ہرج ہی کیا ہے۔ دیکھوں گا مگر یہ زندگی رہتے ہوئے اُسے نہیں چھوؤں گا۔ اس کا تیاگ کروں گا + لوگوں کے مُرد سے بندیا سُکر مُرد پھر لوں گا۔ تبھی تو برا لکھت ہو گا۔ پھر بتایا نہ انداز سے لوئے۔ گورمیتی سے پاؤں پڑتا ہوا سچ سچ کہہ! میری پران پیاری اندھ کی سچ سچ کلنک ہے۔ چھوٹی باتیں کہہ کر میرے

سر پہ بجلی نہ گزرا۔ اندو کے بغیر اس دُنیا میں میرا کسکھ کیا ہے؟
 زربیدر نا تھے گور مٹی کا پاؤں پکڑنے کے لئے چلے تیار ہوئے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں
 کا سیلاب جاری تھا گور مٹی "چھی چھی" کر کے ہنٹ گئی زربیدر نا تھے کے قدم آگے نہیں
 پڑے مگر گور مٹی دُسر کر کر دل ہی دل میں خوب ہنستی تھی۔ کوڑیوں کا خوف کھا کر بولی۔
 باؤ! ہم غریب آدمی ہیں۔ ہماری باتوں پر کورہ بقتیں لاتا ہے۔ ماسی بھات کسے پسند
 آتا ہے۔

زربیدر نا تھے نے گہرا سانس لے کر کہا۔ گور مٹی! تیری باتوں پر یقین کرتا ہوں
 پھر کہتا ہوں بغیر قصور کے میرے سر پہ بجلی نہ گزرا۔

گور مٹی نے تجتر آمیز لہجہ میں کہا۔ یہ کیا بات؟ آپ کے ساتھ نہ سکوک؟ کیا دھرم نہیں
 ہے۔ کل آئیگا۔ میری بات جھوٹی ہے۔ یا سچ۔ سب جان سکیں گے۔

زربیدر نا تھے۔ کس وقت آؤں؟

گور مٹی۔ شام سے کچھ پہلے۔

زربیدر نا تھے۔ بہت اچھا۔

اس وقت زربیدر نا تھے اپنے مضطرب دل کو سینہ میں دباے ہوئے گھر کی طرف چلے +

پندرہواں باب

دل تل تبوت

گور مٹی بھولی نہیں سماتی تھی جسم کے یک ایک عضو سے خوشی بھٹی پڑتی تھی۔ سوچنے لگی
 بہت دنوں بعد کتنی کوششوں سے آج تیرا نشانہ یر بٹھا۔

وہ اپنے دل ہی دل میں کہے لگی۔ میرے دل میں جو خواہش ہو۔ وہی کر سکتی ہوں۔

سمندر کو متھ کر رتن نکال سکتی ہوں۔ کانٹے کو دُور کر کے۔ منزالتی لاسکتی ہوں۔ پھر کیا

نہیں پاسکتی؟ اور کیا نہیں کر سکتی؟ میری طاقتیں بے حد و حساب ہیں۔ اتنی طاقت

تو کسی وکیل میر سٹر میں بھی نہیں۔ اگر طاقت نہ ہوتی تو کیا آج اپنے برے قلعہ دار کا لڑکا

میرے پاؤں پڑتا ہے اور اسی طرح چھوٹ چھوٹ کر رہتا۔ گرمی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ابھی اُسے ہنسا سکتی ہے۔ خواہش کرنے سے ہی وہ پتھر سے پانی نکال سکتی ہے۔ اسی رونے میں وہ ہنسی کا سماں پیدا کر سکتی ہے۔ مگر ایسا کیوں کرؤں گی؟ کیوں اپنے پاؤں میں خود بخود کاٹا چھوٹا جا رہتا ہے؟ سب اپنے اپنے شک کے لئے پاگل نظر آتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ پاگل ہوئی؟ اپنے شک کے راستہ میں کانٹا بونکر کون دوسروں کا بھلا کرتا ہے جو اپنا عیش و آرام نہیں چاہتا۔ وہ دُنیا سے گیا گذر شخص ہے۔ پُرانیکا کر کے اگر وہ چینی سے اپنا منہ میٹھا کرے گا۔ تو میرے لئے گڑ بھی بہت کچھ ہے۔ دونوں کی حالت یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ تھکے دونوں کے میٹھے سون گئے یہ کونسا بہت خراب کام ہے لیکن اپنی طرف نہیں دیکھتا ہمیشہ دوسرے کے عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ اور اُس کا غافلہ اُڑا کر کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں۔ جس کا جیسا سبھاؤ ہے۔ وہ وہی کرتا ہے۔ اس میں دوش ہی کیا ہے؟

گو رہی اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھی۔ اتنے میں زبیر رناتھ آگئے۔ اُس وقت شام ہو رہی تھی۔ گرمی نے اپنا سماں اچھی طرح صاف کیا تھا۔ زبیر رناتھ کو ساتھ لے کر وہ کھڑکی سے ملے ہوئے باغیچہ کی طرف چلی۔ آہستہ آہستہ دونوں پہنچے مگر منی نے کہا۔ یہاں بیٹھ جائیے۔ اور آڑ سے سب کچھ دیکھیے۔ وہاں دیوار تھی۔ اور اُس دیوار میں بہت سے سوراخ تھے۔ بہت دیر بعد دیکھا۔ ایک شخص ایک کنبج میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک درخت کی سیل سے ایک خطا بانڈھ گیا کھڑکی کے پاس ہی کنبج تھا۔ زبیر رناتھ بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص جلدی جلدی خطا پیل سے بانڈھ کر باہر چلا گیا۔ زبیر رناتھ نے اُس شخص کو پہچان لیا۔

قسمت کی بات! اندومتی بھی عین اُسی وقت دوسری طرف دیکھتی ہوئی باغیچہ میں چننے لگی۔ زبیر رناتھ نے یہ سب دیکھا۔ اُس کا جسم عصہ سے ہوا میں ہلنے پڑنے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ وہ شخص بھی اُن کے سامنے ہی بھاگ گیا تھا۔ اور ایک بار پھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اندومتی سے چھپ کر باغیچہ میں گئے۔ اور

خط کھل لائے۔ غریب اندومتی کو ان باتوں کا کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ باہر آکر خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:-

اندو!

سنا ہے۔ ہمارے آپس کی محبت کا راز فاس ہو گیا ہے۔ تہا سے شوہر نے جان لیا ہے اور بدلہ لینے کے لئے فاضل خاص تذاویر سے کام لے رہے ہیں۔ اسی لئے اپنے دونوں کی حفاظت کے لئے میں سوچا ہے۔ کہ کچھ دنوں تک تم سے نہیں ملوں گا اگر ممکن ہوگا تو اسی طرح خط کے ذریعہ اپنے دلی حالات کا اظہار کرتا رہوں گا۔

تمہاری محبت کا پیلا سا

پرتول

خط پڑھ کر زبیر راناٹھ کے عصہ کا پارہ جد اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ جیسے آگ میں کسی نے تیل چھڑک دیا۔

دوپہر کو گورمتی پرتول کو رانے مہاتے کے مکان کے پاس والے باغیچہ میں چھوڑ آئی تھی کس فرض سے اس نے ایسا کیا تھا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ چونکہ اس وقت سب لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اسی وجہ سے کسی نے پرتول کو وہاں جاتے نہیں دیکھا۔ شام کے وقت اندومتی حسب معمول باغیچہ میں سیر کرتے گئی۔ ٹہلنے ٹہلنے کچھ پھول پھنسنے۔ ادھ ایک ایک پھول کے پاس ٹہر کر اس کے کیڑے وغیرہ صاف کرتی تھی اسی وجہ سے وہ پرتول کو نہیں دیکھ نہیں دیکھ سکی

زبیر راناٹھ کے دل میں پرتول کا خط پڑھ کر اور پرتول کو وہاں جاتے دیکھ کر شک پیدا ہوا ان کے ذہن نشین ہو گیا۔ کہ گورمتی نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ لفظ بلفظ صحیح ہے۔ نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے خط پر نظر ڈالتے ہوئے وہ چلے گئے۔

سولہواں باب

زبیر راناٹھ کھڑکی کے پاس والے باغیچہ سے خواب گاہ میں آئے۔ آتے ہی اندومتی

کو دیکھا۔ وہ باغیچے سے میوے لے کر ابھی آئی ہی تھی۔ نریندر ناتھ اُسے دیکھ کر غصہ سے جل اُٹے۔ اس سے پیشتر جس اندومتی کو دیکھ کر نریندر ناتھ کا دل کے محبت کے بحر بیکراں میں غوطہ کھا لے لگتا تھا۔ اس وقت اُس اندومتی کو دیکھ کر نفرت کی ترنگیں دل میں موجزن ہوئیں۔ وہ اسوقت باغلوں کی طرح ہو گئے تھے۔ بڑے بھلے کی تمیز جاتی رہی تھی +

اندومتی کو دیکھ کر وہ جیسے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر نفرت کی زبردستی کی زبردستی ترنگوں نے انہیں اپنی رومیہ بہا لیا۔ کچھ نہ کہہ سکے۔ آنکھیں آگ کی طرح جلتی گئیں۔ منہ پر جسے موت کا سایہ پڑ گیا۔ سادہ لوح اندومتی اسوقت نریندر ناتھ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں کھرا ہوا تھا۔ دیکھا۔ یہ چہرہ جیسے پہلا چہرہ ہمیں ہے —



نور دہلی۔۔۔ ادبی آج پھل !!!

اُس کا نہ جیسے چہرہ کو بادلوں نے ڈھک لیا۔ اندومتی بادلوں کے پردہ میں چھپتی ہوئی بجلی کی طرح اُس چہرے کو دیکھ کر کانیا اُٹھی۔ بہت دیر تک نہ دیکھ سکی۔ اگر اُسی وقت اندومتی کے سر پر آسان بیٹ پڑتا۔ یا جان نکل جاتی۔ تو اتنا دکھ کیوں ہوتا۔ زرنیدر ناتھ کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے دل میں تکلیف ہوئے لگی۔ سوچنے لگی۔ جیسے وہ اس دُنیا میں نہیں ہے۔ یہ دیا بھی اُس کی نہیں ہے۔ آج وہ بھکاری بنی ہے۔ اُسے دُنیا میں کھڑا ہونے کے لئے عکس ہیں۔ جہاں کھڑی ہوتی ہے۔ وہیں کتنے خواب دیکھتی ہے۔ شمشان دیکھ کر چونک اُٹھی ہے۔ اسی شمشان بھومی میں وہ اکیلے۔ ہر چار طرف آگ سے تڑپ رہی ہے۔ کون اُسے اس شمشان بھومی سے تھنڈے اور آرام دہ مکان میں لیجا لے گا۔ زرنیدر ناتھ؟ اندومتی نے پھر زرنیدر ناتھ کی طرف دیکھا۔ دیکھا اس وقت بھی زرنیدر ناتھ کی آنکھوں میں آگ جل رہی ہے۔ دھک دھک دھک!!! اندھو کا مکان بھی جل گیا۔ اندورونے لگی۔ اندومتی۔ آج بھکاری بنی!

بھکاری بنی پناہ کے لئے زرنیدر ناتھ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسی چہرے کے درشن سے وہ ہمیشہ شادمانی پاتی رہی ہے۔ اور کہاں جانے لگی، جانے کی جگہ تو تھی۔ اسی لئے پھر دیکھنے لگی۔ اور کہاں سوچنے لگی۔ منجھ سے بات تو مٹتی نہیں۔ سیدھے تنق ہوئے لگا۔ اس نے جیسے پرلے کے دریا میں ڈوبے لگی۔ اُس کی بڑی حواہشوں کی کتنی جیسے ڈوب گئی تو لگوں کی پر زور میں ہتی ہوئی نہ معلوم کہاں جانے لگی۔ خوفناک مصیبت۔ کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ اندومتی چونک کر رونے لگی پکارا۔ پرمیشور! پرمیشور!

پکارتے پکارتے غشش کھا کر زرنیدر ناتھ کے قدموں میں پڑ گئی۔ زرنیدر ناتھ نے غصہ میں اُس سونے کی موڑتی کو در در سے پاؤں سے روڈ ڈالا۔ اندومتی مٹی کے روڑے کی طرح زمین پر پڑھلکتی لگی۔ زرنیدر ناتھ یہ نظارہ دیکھ نہ سکا۔ آنکھیں لہجوں ہو گئیں اور نگاہوں سے دھول میں لت پت کسل جیسے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا وہی گوری گوری پیشانی۔ وہ مہرابی سرو میں۔ وہی کالی کالی دل کو چھنسلنے والی زلفیں۔ وہی ہوسم لبنت کے گلاب کی طرز شگفتہ زُخسار اور بھی دیکھا۔ وہی سادگی۔ وہی دلکشی۔ وہی

درد بھری چتونیں اسب جیسے اُس چہرے میں از سر نو خود کرا آئی تھیں۔ اور اب بھی اُن
یا قوتی لبوں میں محبت کی شہد کا چھٹا لگا ہوا تھا۔

رہنما ناٹھ نے پاگوں کی طرح اُن ہونٹوں کو جو م لیا اور اندومتی کو اپنے سینے سے لگا
لیا۔ اُس کے بعد کتنی ہی باتیں کرنے لگے۔ اندو! تو میرے کئے اور کی چیز ہے۔ کتنی محبت
کی شے ہے۔ مہری خودیوں کی جوہر محبت کا سرمایہ میرے باغیچے کی کوٹلی۔
کیوں اسے پنجرے میں پالا! کیوں اُس سے پریم پیدا کیا؟ ایسی یا کیزہ مورتی کے درشن سے کیوں
اتنے دنوں تک غمزدہ رہا؟

یہ سوچتے سوچتے پرتول کے خط کی بات یاد آگئی۔ پاگوں کی طرح چلا کر کہا۔ ہشامی! کھنڈی
دستو اس گاتنی!!! اب اس گھر کو اپنی ٹاپاک سہتی سے پاک کرا
یہ کہہ کر رہنما ناٹھ نے اپنی گود سے اندومتی کو زمین پر دھکا دیکر گرا دیا۔ اور پرتول کے خط
کو زور سے اندومتی کے جسم پر مارا۔ اور زوراً کمرے سے باہر نکل گئے۔

ستہر ہواں باب

تیاک

اندومتی کا عشق ٹوٹا۔ دیکھا نہ رہنا تھا۔ خواہ گاہ میں نہیں ہیں۔ صرف ایک خط لکھا ہوا
تھا۔ اندومتی نے اُسے رہنما ناٹھ کا خط سمجھ کر اٹھا لیا۔ بڑھاپہ بڑھ کر معلوم ہوا۔ رہنما
ناٹھ کا نہیں ہے۔ نفرت سے اُسے دُور پھینک دیا۔ اسوقت رہنما ناٹھ کے غصے کا
سبب سمجھ میں آیا۔ سمجھ کر کیا ہوا؟ اور کیا ہو گا؟ سینہ شق ہو کر دو ٹکڑے ہوئے گا
تمام جسم میں جیسے کانٹے پڑ گئے۔ اندومتی کی بڑی بڑی آنکھیں برسات کے پتوں کی
کی طرح آنسوؤں سے لہریں ہو گئیں۔

اسوقت اندومتی نے سوچا۔ اتوں نے میرا اعتبار نہیں کیا۔ کلنگنی تصور کر رہے۔
ایسی حالت میں اب یہ مجھ کس طرح دکھاؤں گی؟ دیو! تو مجھ پہنچانے کے لئے میرا جسم
ہنیں ہو! میرے جیتے جی اس پاک خاندان میں داغ لگے گا۔ لوگ لالچ کے خوف سے اور

نفرت سے مجھے ہات تک نہیں لگا سکتے۔ اگر دیوتا کے پوتہ جیروں کی یو جانی نہیں کر سکتی۔ تو پران رکھنے سے فائدہ ہی کیا؟ لہذا بد پران تباہ کر دیں گی۔ دُنیا میں اب کسی کو منہ نہ دکھاؤنگی جس منہ کے دیکھنے شوہر کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ منہ کیا دکھانا چاہئے؟ مگر دکھ یہی ہے کہ انہوں نے مجھے ملا قصور تیاگ کیا ہے۔ دشو اس گھاتنی۔ اور رکھشی کہہ کر مجھے پاؤں سے ٹھکرا رہا ہے معلوم ہوتا ہے۔ اندو متی نے مزید زناختہ کی آخری تاشی لی تھی۔

یہ سوچتے سوچتے اندو متی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار لنگا کے ہاؤ کی طرح رونے لگی۔ پھر سوچنے لگی۔ بس تمام دکھ اور تمام تکالیف برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر ملا قصور دکھ کیوں کر سہہ سکو لگی۔ ہاؤ اس ابھائی کو کیوں موت نہ آئی؟ موت آجاتی تو تمام دکھوں سے نجات پا جاتی۔ میرے بھائیوں میں آگ لگی ہے۔ ایسے بے نصیب کس کے ہوں گے؟ ایسا شوق پاؤں گی۔ پچھلے جنم کے کرموں کے پھل سے پایا تھا۔ بد متی سے سکھ کے راستہ میں کانٹا اٹکیا میں بھکاری! میری قسمت رانیوں کی طرح کیوں کر ہوگی؟ اس دکھ سے تو مجھے موت ہی اچھی تھی۔

پہلے اسی طرح دکھ کے تیروں کا فساد بن کر موت کو پکارتے ہیں مگر کتنے مرتے ہیں؟ اگر اس کے بس کی بات ہوتی تو اندو متی بھی مر جاتی۔ ضرور مر جاتی۔ اندو متی کا دل اس دست نہایت ہی پُر استقامت تھا۔ نہ رونا تھا۔ اور نہ ہنسی۔ اندو رج۔ نہ خوشی۔ وہ جڑ کی طرح صحت ہو گئی تھی۔ وہ مسرت آمیز لہجہ میں دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "ہاؤ! تم نے مجھے ملا قصور تیاگ کیا ہے۔ اچھا ہوا! تمہیں دکھ پہنچانے کے لئے۔" بعد نہیں پھروں گی۔ لیکن اگر اس داسی کی عرض اس جنم میں خواہ دو سنگے جنم میں یا ہزاروں حصوں میں صحیح ثابت ہو۔ تو دیا کر کے پھر اس داسی کو قبول کرنا۔ دل میں بڑی اُمید تھی کہ جاتے وقت تمہارا وہی ہنس مکھ چہرہ اور وہ تسکین دینے والی پیاری پیاری ہنسی اکبار ضرور دیکھوں گی۔ مگر بد متی نے اس سے بھی محروم کر دیا۔ یہی دکھ ہے۔" یہ بھکاری اندو متی نے تمام قیمتی زیورات و جواہر ایک۔ ایک کر کے اتار کر دھسک۔ دے دیے۔

ہاتوں میں ہر طرف دو چوڑیاں رہ گئیں اور ایک سفید ساڑھی پہن لی اور رہنبر ناخن کی سلاستی
و اقبال کی دھائیں مانگنے لگی۔

و کہ درد کی مستائی ہوئی اندومتی نے رہنبر ناخن کا مکان چھوڑا۔

اٹھارہواں باب

تمام محل میں کھرام مچ گیا۔ کہ اندومتی گھر میں نہیں ہے۔ شیل بالابھی نہیں۔ دونوں میں
ایک بھی نہیں۔ بالک نے ایک ایک کمرہ کر کے تمام مکان چھان مارا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ دو ہنڑ
چلائی تھیں۔ اور روتی چلائی تھیں۔ رائے ہاشے جو حاسی سے بار بار اندر جاتے تھے اور
باہر آتے تھے۔ کشیترمتی۔ چنتامتی۔ رام متی۔ راج متی۔ سکھی متی وغیرہ اندر کے محلوں
میں تلاش کرتے تھے مگر کہیں اندومتی یا شیل بالاکو نہیں پایا۔
رائے ہاشے کا تمام علاقہ گائوں کے کونے کونے میں اندومتی کی تلاش کر رہا تھا۔ رائے
ہاشے نے تمام گاؤں میں منادی کرادی۔ کہ جاندومتی کا بیٹہ لگالے یا اس کے متعلق کوئی
خبر سنا لے گا۔ اسے معقول انعام ملیگا۔ نوکروں کے درمیان اندومتی کے متعلق بات چیت
ہونے لگی گاؤں کے کسانوں نے خوش ہو کر اپنا بل رکھ دئے۔ اور اندومتی کی تلاش میں
نکلے۔ ان لوگوں میں سے کوئی اندومتی نہیں پہچانتا تھا۔ وہ کیسے کامیاب ہو گئے۔ مختاب
ہوتا ہے۔

محاذ کی بہوئیں صندوقوں میں تلاش کرے گئیں۔ انہیں پورا پورا یقین تھا۔ کہ اندومتی بل
جائیگی۔ اور ہمیں انعام ملیگا۔ بہوئوں میں بعض حصہ سوچتی تھیں۔ اگر اندومتی بل گئی تو وہ
اپنی بڑی بہن کے بڑے لڑکے لئے ایک چینی کی گڑ با خرید دینگی۔

لڑکیوں نے بھی سوچا۔ اگر کہیں اندومتی بل جائے تو وہ انہی سکھی کو ایک حوڑا تک پہنچی
چوڑی کا خرید دینگی۔ مگر ان میں سے کسی کے نصیب میں انعام نہیں تھا۔ ایسے بہوئیں
اور لڑکیاں بہت دکھی ہوئیں۔ ہم کہتے ہیں اس رنج سے کہا فائدہ ہے اپنے تئیں اور
حینہ دور کے بس سے دوچار پیسے نکال کر اپنے اپنے دل کا حوصلہ پورا کر لیں۔ اس میں اپنی

آتم فریاد بھی ہے۔ کیا یہ اچھی صلاح نہیں؟
مکانوں میں اندھیتی کے بھاگنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ بیچ ذات کی کتنی ہی عورتیں پانی کا گھر شہر
رکھے ہوئے باقی لے جا رہی تھیں۔ انہوں نے بھی یہ خبر سنی۔ راستہ میں ایک کے دوسرے سے
کہا۔ ڈیڑی اچھٹا۔ راتے بھٹے کے گھر کی بہو بھاگ گئی؟
اُس نے منچ پر ہو کر کہا۔ کیا بہن! کیا؟ تو نے کس کے منچ سے سنا؟

ایک تیسری عورت نے منچ پر ٹپٹھا کر کے منچ گھٹا کر اپنی خودداری شوہر پرستی کا نذرانہ اُس کے
بلے۔ چاہیں جا۔ وہ مات نہ کر۔ میں ہوتی تو گلے میں پھانسی لگا کر مر جاتی۔ ایسے گھر کی بہو
اس کے بعد پہلی نے دوسری کے کان میں معلوم کیا کیا کہا۔ عورتوں کا شجھاؤ۔ جانتے
ہوئے نہیں تل کو تال کر دینی میں۔ کچھ بولے سے جیسا اُن کا سر بھٹتا ہے۔ ان عورتوں سے
بھی جہاں تک ہو سکا۔ رات نے جھوٹ بیچ کہنے میں غفلت نہ کی۔

اسوقت دوسری عورت نے خیر انداز سے کہا۔ چھی چھی! کہیں عورتیں بھی ایسا کام کرتی
ہیں بہن! تو نے کیسے دنا!

تیسری عورت۔ کیوں؟ کل رات کو انھوں نے کہا تھا۔ بہن! اسے گھر لی بہو نے
سے کہا ہوتا ہے اسے عاڑ میں کچھ تبدیلی تھوڑا ہی آ جاتی ہے۔

جس کا بسا سھاڑ ہو۔ ہے۔ اس کے دیسے ہی کام بھی ہوتے ہیں نہ معلوم کہاں سے
زمیندار یا پڑ ہوئے آئے تھے۔ زمیندار آدمی جو کرے۔ وہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مڑوں
کی بڑی باتیں ہوتی ہیں ہم لوگوں کو تا آج ہی مہا بہارت چج جاتا کہیں منچ دکھانے
کے قابل بھی نہیں رہتے۔

اس قسم کی بہتری باتیں کرتے کرتے اور مصلحہ اڑاتے اڑاتے عورتیں اپنے اپنے گھر گئیں
شوہر کی ذمہ داری دیکھ عورتوں نے جو کہا۔ اُن کے مردوں کو یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔ یا
بھی نہیں۔ دوسری عورتوں کو یقین دلانے کے لئے شوہر کی ذمہ داری عورتوں
تہماری عقل پر آفریں ہے۔

ایک ایک یہ خبر مشہور ہو گئی۔ بہو آتی ہے۔ بہو آتی ہے۔ سب کی زبان پر یہی ایک بات

تھی۔ ہو آتی ہے۔ رائے ہاشمی یہ خبر سن کر گھبرائے ہوئے جلدی سے محل کے صدر دروازے پر آئے۔ اور چاروں طرف آنکھیں بہاؤ بہاؤ کر دیکھنے لگے۔ مگر نہیں کچھ تپ نہ چلا۔ کچھ دیر بعد دیکھا۔ ایک پاکی کے پیچھے پیچھے ایک شخص بیڑی سے دوڑا آ رہا ہے۔ رائے ہاشمی نے اُس وقت سوچا۔ کہ اسی پاکی میں ہو آ رہی ہے۔ نوکر نے بھی یہی کہا۔ اور سنبھلے صبری سے پاکی کا انتظار کرنے لگے۔ سب خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔

دیکھنے دیکھتے پاکی صدر راستہ سے دوسرے راستہ پر چلی گئی۔ پاکی کے ساتھ والے شخص سے ایک نوکر نے پوچھا۔ تم کہاں جاؤ گے؟ اُس نے جواب دیا۔ ماں سخت بیمار ہے۔ اسی سبب سے سسرال سے بیوی کو لے کر آ رہی ہوں۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ پاکی والے رائے ہاشمی کا گھر نہیں پہچانتے۔ اسی وجہ سے دوسرے راستے جا رہے ہیں۔ مگر اب جو اسٹنکر نام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ رائے ہاشمی کا جہرہ بتر کیا۔ اُسی جگہ کھٹے ہلی پیچھے کھڑے تھے۔ جب دیکھا کہ بہو رائے ہاشمی کے گھر کی نہیں ہے تو لوگوں کا وہ گروہ پاکی کے پیچھے پیچھے دوڑا اور تالیاں بجانے بجانے جو جس کے منہ میں آیا کہنے لگا۔ کسی کسی نے یہ کہنا شروع کیا۔

یا اگل باپ اور یا گل پوتہ! یہ دلو میں حم کئے وٹ

کسی کسی نے کہا۔ کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے۔ رائے ہاشمی نے جی مکان پر۔ بعض لوگوں نے پاکی کے کہاؤں سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ تو ہو گئے تھک کر بہو کو لاؤ پھر گھر ادھر خیر مقدم کرنے والے سب کے سب بایوٹس ہو کر مکان میں پھرنے لگے۔ کسی نے اندوہ منی یا شیل بالا کا پتہ نہیں پایا۔ یہ دکانا تو درکنار۔ اُس کے متعلق کوئی معمولی خبر بھی نہیں ملی۔ رائے ہاشمی نے سن کر بایوٹس سے بڑھے ہوئے لکڑی میں غوطہ زن ہو گئے۔

اُتھار ہواں باب

خالی مکان میں!

نرمیز ناتھ نے اندوہ منی کے جلنے کے بعد دس دن بند رہا۔ دن بہک خواہگاہ میں نہیں گئے نہ

معلوم کیا سوچ کر آج گئے۔ وہاں پہنچ کر بہت دیر تک وہ روتے رہے۔ اس کے بعد اندو متی کی جیتی پیاری چیزیں تھیں۔ سب کو توڑنے پھوڑنے لگے۔ اندو متی کے پاس ایک سونے کا گھڑی دان تھا۔ زیند رنا تھ نے اسے بھی ٹپک کر توڑ دیا۔ اس کے بعد اندو کا آئینہ۔ تنگھی تیل کی شیشی۔ کانچ کا گلاس۔ رکابی ایک ایک کر کے سب توڑ پھوڑ دیں اس کے بعد اندو متی نے ان سے خود بازی کی تصویریں تیار کی تھیں۔ وہ اٹھائیں۔ ان دونوں پرستہ ہی فریم تھا۔ وہ بھی توڑ ڈالا۔ اس پر لکھا تھا بمرے آسمان دل دھڑکا زیند رنا تھ رائے کو بطور تحفہ مجھے پیش کرتی ہوں۔ اندو متی

انھوں نے اس تصویر اور عبارت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے چاہے۔ مگر نا کامیاب رہے پھر انہوں نے پاؤں تلے روندنا شروع کیا۔ زیند رنا تھ کی کسی حرکت کر رہے تھے۔ بھی اس کے بعد زیند رنا تھ جس لپٹنگ پر سوتے تھے۔ اسے بھی الٹ دیا۔ اور بیٹھ کر سوچنے لگے۔ پہلے سوچو۔ اندو کی وہ محبت کے رس میں ڈوبی ہوئی دل پر کیا اثر ڈالتی تھیں پھر سوچنے لگے ہائے! میں نے اس رتن کی قدر کیوں نہ کی؟ لڑکھتے ہوئے بھی میں نے نا قدر دانی کے ہاتھ اس گراں قدر جواہر کو خاک میں ملا دیا۔ میں بندر ہوں جواہر کی قدر کیا عاتوں؟ اندو متی جانے جوئے مجھے لطیف دیکھنے کے لئے کس قدر رونی چلائی تھی۔ دتے روتے اس کی آنکھیں۔ قدر رنرخ ہوئیں تھیں۔ میں شگدل ہوں۔ بید ہوئیں مجھ میں تمہارے طاقت ہنس میں شیلج ہوں۔ پشاج کے ساتھ سو رنگ کی دیوی کا ملاپ کیوں ہوگا؟

یہ سوچ کر زیند رنا تھ یکایک برقی رفتار سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دل ہی دل میں آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ میں نے اندو متی کو یاؤں سے ٹھکرا دیا۔ غیر ممکن ہے۔ ابھی اس قدر شگدل نہیں ہوا۔ ہوا تھا۔ مگر کب؟ جب اندو متی کو گھر سے باہر نکالا تھا۔ اس وقت میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ چوری۔ دہرئی۔ خون دینا۔ کاسب سے زیادہ یاب اور نہایت ہی قابل نفرت کام غرض مجھ سے عام ہو سکتے ہیں۔ جس نے رے بھلے کی تمیز نہیں۔ وہ کیا اسان ہے؟ کیسے دیکھ کی بات ہے۔ میرا دل

خالی کیوں معلوم ہوتا ہے؟ اندھیرے گھر میں رہتے ہوئے بھی جیسے کوئی نہیں ہوتا۔ اسی طرح میرے دل کی بھی حالت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ جس کی طاقت سے اتنے دنوں تک طاقتور تھا۔ اسوقت وہ سے کھو چکا ہوں۔ اس کے رہتے ہوئے شاید اسقدر دل میں ہلچل نہ ہوتی۔ پر ان اسقدر اُداس نہ ہوتا۔ اس گھر میں کیا تھا اب کیا ہو گیا؟ اندھیتی کے گھر چھوڑنے کے ساتھ ہی گھر بھی جیسے ناپاک ہو گیا۔ جس کی دولت ہے اگر اُس نے پرواہ نہ کی۔ تو کون کرے گا؟ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ مگر پھر بھی اپنا اپنا ہی ہے۔

اسوقت زبیر ناتھ بے چینی سے کھڑکی کے پاس آکر آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا چاند نہیں نکلا۔ ستارے بھی نہیں نکلے تارکک رات تھی۔ زبیر ناتھ کوتاہی کی وجہ سے درخت۔ پھل۔ پھول اور پتے کچھ نظر نہیں آئے۔ رات کی تاریکی میں پھولوں کی خوشبو اور ان کے پرلطف نظاروں کی بہار لوٹتے۔ اندو کی انگلی پیر کر اُس کے ساتھ ٹپکتے اور آپس میں ہنسی مذاق۔ پھل دو گئی کی کتنی ہی باتیں کرتے۔ مگر اُس کی مدد موجودگی میں سب کچھ ناپید ہو گیا۔ برج زبیر کے دل میں خوشی کا قطعی نام و نشان نہیں تھا۔ بلکہ عہد گزشتہ کی یاد نے ان کے دل پر ایک زبردست چرکہ لگایا۔ زبیر ناتھ نے دیکھ کر مسکرا سوچ کر دل ہی دل میں طے کیا کہ اندھیتی کو سب ہی پایہ کرتے ہیں۔ اُس کی جدائی میں ہی دُنیا ممتی لباس سے ملبوس ہے۔ اُس صبا کوئی نہیں۔

ہے صرف — زبیر ناتھ !!

ہستیوں باب

خط

تارا کانت زبیر ناتھ کے پڑوسی اور جاں نثار دوست تھے۔ ان دونوں پر دو مقابلہ اور ایک جان کا مسئلہ صادق آتا تھا۔ صبح اُٹھ کر تارا کانت کے نوکر نے انہیں ایک خط دیا۔ تارا کانت زبیر ناتھ کا خط پھانتے تھے۔ خط دیکھتے ہی انہوں نے پہچان لیا

اتنے سویرے اُن کا خط کیوں آیا؟ تارا کا نات بہت گھبرائے۔ جلدی سے پڑھے لگے تارا کا نات!

خواب میں تھی تم سے دو چار باتیں کہتا جاؤں گا۔ مگر ایسا موقع نہیں ملا۔ کاش! ملتا تو کیا تم مجھے بھی آنے دیتے۔ تمہاری آنکھوں سے جمنائی دھار بہتے دیکھ کر اور کہیں ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتے دیکھ کر کیا میں کبھی ادھر کا رخ کر سکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ تم کہو گے میرا دل پتھر کا ہے۔ اور اس میں شک ہی کیا ہے؟ میں اس وقت پتھر سے کہیں زیادہ سخت دل بن گیا ہوں؟ اس دُنیا میں انسان کی شناخت بہت مشکل ہے۔ کون کیا دیکھتا ہے اور کیا سمجھتا ہے؟

اُس کی نسبت کیا کچھ کہا جاسکتا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ انسان دو تہلے؟ انسان کھٹکتا ہے ایسا دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ جو یہ راکھ شس نہ کرے۔ ورنہ باپ کے سمندر میں شہر اور گورمتی بُرا بھلا سمجھا کر میرے شک کے بستر ہو نیوالی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ کر دیتی تقریباً ایک مہینہ ہوا۔ تم نے پرتول کی خصوصیت کے مختلف ثبوت دیئے تھے۔ اور دکھا دیتے تھے۔ ایسا رُے کام کے صرکب ہو کر ہی گورمتی دپرتول دیں تیاگی ہوئے تھے۔ اس کا بھی پورا پورا ثبوت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب سمجھ میں آیا۔ میری غلطیوں اور قصور سے ہی اُن کو موتی نے گھر چھوڑا۔

بھائی! اس وقت اُس مینیاک وقت کی بات یاد آنے سے تمام جسم میں جیسے زہر سرایت کر جاتا ہے۔ جس کی محبت کا فرحت اثر اور خوشگوار پس پی کر مجھ میں از سر نو جان آگئی تھی جس نے اس خزانہ سار یک میں اپنے فُور سے فُور کی بارش کی تھی۔ ہائے! اُس بے گناہ اندہ متی کو یافوں سے ٹھکر کر اس وقت یافوں دل سے طرح طرح کی نکالیفیں اُٹھا رہی ہوں۔ اس وقت مرے دل میں وہ شک نہیں۔ وہ لطف نہیں۔ پہلے کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے۔ تو وہ رنج و غم کی دھندلکئی ہوئی آگ تیارا کا نات ایہ آگ کس زور سے جل رہی ہے۔ اس کی نسبت تم سے کیا کہوں؟ اگر دل کو چیر کر دکھا سکتا۔ تو دکھا دیتا۔

اس دُنیا میں اگر کچھ شک ہے۔ تو وہ عورت کا پیار و محبت! اس کے روبرو سرگ کا شکہ بھی

بیچ ہے۔ دکھ کی آگ میں جسوقت دل جلنے لگتا ہے جس وقت دل الم کے بحر بیکراں میں غوطے لگاتا ہے۔ اس وقت اگر بیوی کی محبت کا پر لطف نظارہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تو وہ سب دم میں یہ رنج و غم دھڑ ہو جائے۔ اور دل خوشی سے پہ پور ہو جائے۔ دنیا کا شکہ اس کے مقابل میں باطل بیچ ہے۔ شادی کرنے سے ان سب باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ بدھاتا کی سرشتی میں کتنی شکہ کی چیزیں اور کتنی ہی دلعزیز اشیا ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان سب میں اب مجھے ذرا بھی دل بستگی نہیں رہی۔ اور نہ وہ مجھے شکہ دیکھتی ہیں۔ میرا دل مغنوم دماغ میں ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا سمجھتا ہوں۔ کہ دنیا میں عورت ہی شانتی دینے والی ہے۔ مگر مجھ بوجھ کر بھی کیا کیا؟ بغیر قصور و ناکردہ گناہ۔ پیار و محبت کی وہ نئے۔ جسے مٹی میں رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہائے اس جان سے زیادہ عزیز اندومتی کو جنم بھر کے لئے کھودیا۔ پھر اب شکہ کی کیا اُمید کروں؟ اندومتی کے ساتھ ساتھ ہی میرا شکہ چلا گیا۔ اس وقت میں اسی شکہ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر باؤں کا تو واپس آؤں گا۔ ورنہ اس خط کو دیکھ کر بھی کبھی مجھے یاد کر لینا۔

اور ایک بات ہے۔ خالی پیرا رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر چڑھاؤ۔ تو وہی بھرے کی جیہٹ اور ریت ہے۔ پرندے پرواز کرتے ہی بھرے کی قدر جاتی رہتی ہے۔ میری بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ اندومتی کے لئے اتنے دنوں تک جو جسم تھا۔ وہ آج اندومتی کے بغیر بے رون کیوں نہ ہو؟ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اس جسم کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا؟ کس لئے اب اس جسم کی قدر کروں؟ اگر اندومتی گھر میں ہوتی۔ تو مجھے موت کی خواہش نہ ہوتی۔ اس وقت سوچتا کہ مرے کے بعد تو اندومتی کا چاند جیسا لکھڑا ہیں دیکھ سکوں گا۔ اندومتی کو بھی سخت دکھ ہو گا۔ مگر اسوقت تہیہ کیا ہے۔ یانی میں، دھوب میں بھوکوں مر مر کر غرض جس طرح ہو سکا۔ اس قالب خاکی سے علیحدگی اختیار کر دوں گا۔ بے جان جسم کی تکلیف اب برداشت نہیں کر سکتا۔

سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے ان میں جان نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ تم بچوں سے لدی ہوئی شاخ دیکھ کر

بتے سویرے اُن کا خط کیوں آیا؟ تاکا کانت بہت گھبرائے۔ جلدی سے پڑھے لگے
تاکا کانت!

خوابش بھی تم سے دو چار باتیں کہتا جاؤں گا۔ مگر ایسا موقع نہیں ملا۔ کاش! ملتا تو
کیا تم مجھے کبھی آنے دیتے۔ تمہاری آنکھوں سے جتنا کی دھار بہتے دیکھ کر اور کہیں ٹھنڈی
ٹھنڈی سانس لیتے دیکھ کر کیا میں کبھی ادھر کا رخ کر سکتا تھا؟ کبھی نہیں۔ تم کہو گے
میرا دل پتھر کا ہے۔ اور اس میں شک ہی کیا ہے؟ میں اس وقت پتھر سے کہیں زیادہ سخت
دل بن گیا ہوں؟ اس دُنیا میں انسان کی شناخت بہت مشکل ہے۔ کون کیا دیکھتا ہے
اور کیا سمجھتا ہے؟

اُس کی سببت کیا کچھ کہا جاسکتا ہے۔ کون کہتا ہے۔ کہ انسان دو تہ ہے؟ انسان رکشش ہے
ایسا دُنیا میں کوئی کام نہیں۔ جو یہ رکشش نہ کرے۔ ورنہ باپ کے سمندر میں ستر اور
گورمتی بڑا بھلا سمجھا کر میرے شک کے ستر ہو نیوالی زندگی کا شیرازہ منتشر کر دیتی۔ تقریباً
ایک مہینہ ہوا۔ تم نے پرتول کی خصوصیت کے مختلف ثبوت دیئے تھے۔ اور دکھا دیتے
تھے۔ ایسا مرے کام کے مرکب ہو کر ہی گورمتی دپرتول دیں تیاگی ہوئے تھے۔ اس کا بھی
پورا پورا ثبوت دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب سمجھ میں آیا۔ میری غلطیوں اور قصور سے
ہی اُن کو موتی نے گھر چھوڑا۔

بھائی! اس وقت اُس ہتیاک وقت کی بات یاد آنے سے تمام جسم میں جیسے زہر سرایت
کر جاتا ہے۔ جس کی محبت کا فرحت اتر اور محو شگوار رس بی کر مجھ میں از سر نو جان آگئی تھی
جس نے اس خانہ تار یک میں اپنے ٹور سے ٹور کی بارش کی تھی۔ ہائے! اس بے گناہ اُمید
موتی کو پاؤں سے تھک کر اس وقت ماؤں دل سے طرح طرح کی نکالیں اٹھا رہا ہوں۔
اس وقت مرے دل میں وہ شک نہیں۔ وہ لطف نہیں۔ پہلے کچھ نہیں۔ اگر کچھ ہے۔ تو وہ
رنج و غم کی دھندل سی ہوئی آگ تیار کانت! یہ آگ کس زور سے جل رہی ہے۔ اس کی
نسبت تم سے کیا کہوں؟ اگر دل کو چیر کر دکھا سکتا۔ تو دکھا دیتا۔

اس دُنیا میں اگر کچھ شک ہے۔ تو وہ عورت کا پیار و محبت! اس کے روبرو سرگ کا شک بھی

ہیچ ہے۔ دلکھ کی آگ میں جو وقت دل جلنے لگتا ہے۔ جس وقت دل الم کے بحر بیکلاں میں غوطے لگاتا ہے۔ اُس وقت اگر بیوی کی محبت کا پر لطف نظارہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تو دم کے دم میں یہ سرخ و غم دُور ہو جائے۔ اور دل خوشی سے پھوڑ ہو جائے۔ دُنیا کا شکہ اس کے مقابل میں باطل ہیچ ہے شادی کرنے سے ان سب باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ بدھانا کی سرشتی میں کتنی شکہ کی چیزیں اور کتنی ہی دلدیریاں ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان سب میں اب مجھے ذرا بھی دل بستگی نہیں رہی۔ اور نہ وہ مجھے شکہ دے سکتی ہیں۔ میرا دل مغوم واپس ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا سمجھتا ہوں۔ کہ دُنیا میں عورت ہی شانتی دینے والی ہے۔ مگر مجھ بوجھ کر بھی کیا کیا بغیر قصور نہ کر دہ گناہ۔ پیار و محبت کی وہ شے۔ جسے مٹی میں رکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہائے اُس جان سے زیادہ عزیز اندومٹی کو جنم بھر کے لئے کھودیا۔ بھرا ب شکہ کی کیا اُمید کروں؟ اندومٹی کے ساتھ ساتھ ہی میرا شکہ چلا گیا۔ اس وقت میں اسی شکہ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر یاؤں گلہ تو اِسی آؤں گا۔ ورنہ اس خط کو دیکھ کر ہی کبھی کبھی مجھے یاد کر لینا۔

اور ایک بات ہے۔ خالی پھر رکھنے سے کیا فائدہ؟ اگر چڑیا ہو۔ تو وہی سحرے کی خوبصورت اور رنیت ہے پرندے کے پر دان کرتے ہی سحرے کی قدر جاتی رہتی ہے۔ میری بھی یہی حالت ہوئی ہے۔ اندومٹی کے لئے اتنے دنوں تک جو جسم تھا۔ وہ آج اندومٹی کے بغیر بے رونق کیوں نہ ہو؟ جب یہ حال ہے۔ تو پھر اس جسم کو رکھنے کی ضرورت ہی کیا؟ کس لئے اب اس جسم کی قدر کروں؟ اگر اندومٹی گھر میں ہوتی۔ تو مجھے موت کی خواہش نہ ہوتی۔ اُس وقت سوچتا کہ مرے کے بعد تو اندومٹی کا یا نہ جیسا لکھڑا ہیں دیکھ سکوں گا۔ اندومٹی کو بھی سخت دکھ ہوگا۔ مگر اس وقت تہیہ کیا ہے۔ یانی میں، دھوپ میں بھوکوں مر مر کر غرض جس طرح ہو سکا۔ اس قالب خاکی سے علیحدگی اختیار کروں گا۔ بے جان جسم کی نکال لینا اب برداشت نہیں کر سکتا۔

سچی بات تو یہ ہے۔ کہ دُنیا کی کوئی چیز مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ان میں جان نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ تم بچوں سے لے کر بوٹی شاخ دیکھ کر

معتوں ہو جاؤ۔ یا موسم بہشت میں رات کے آخری حصہ میں سوتے ہو پزند چونک کر ہو کر
کہو، "کا نہایت دلدور مگر سر بلاتراند الاپے اور تم اس میں محو ہو جاؤ۔ یا نیم خوابی میں کسی کے
جذبہ محبت میں ڈوبی ہوئی کوئل کی سی دلکش آواز سنکر بخود ہو جاؤ۔ مگر بھائی! اس وقت
ان سب میں مجھے کوئی شک نہ نظر نہیں آتا۔ سب مجھے زیر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ خواہش
ہوتی ہے کہ جہاں یہ سب نظارے ہوں۔ میں وہاں سے کسی غیر آباد مقام میں چلا جاؤں مگر
میں جاہل مطلق ہوں۔ کہاں جاؤں گا؟ میرے لئے کہاں جگہ ہے؟
ادراک دکھ ہے۔ دنیا چھوڑ کر انسان کہاں جاسکتا ہے۔ اس لئے جہاں جاؤں گا۔ اسی
جگہ اندومتی کے پیار کی کتنی ہی چیزیں دیکھنے میں آئیں گی۔ اندومتی جن چیزوں کو بہت پیار
کرتی تھی۔ انہیں دیکھ کر سینہ شق ہو جاتا ہے۔ میری اندومتی۔ جڑی۔ بیلا۔ چھیلی۔ چچیا۔
گلاب۔ مونسری وغیرہ بچوں چاہنے کی تھرتھرتی ہوئی روشنی میں دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی
بھائی! بتاؤ۔ ان سب نظاروں کو اب میں کن آنکھوں سے دیکھوں گا؟ بچوں سے بڑے بھائی
کر سکتا ہوں۔ مگر آسمان میں چاند طلوع ہو گا۔ تو کہاں بھاگ کر جاؤں گا۔ اور اُسے دیکھ کر
کیسے رہ سکوں گا۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں۔ کہ دنیا چھوڑ کر انسان کہاں جاسکتا ہے! امید
کرتا ہوں۔ کہ تم مجھے کوئی ایسا راستہ بتاؤ گے۔ جس سے اس بچہ دلی کو کسی قدر تسکین ہو
میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ تمہارے سوا اس وقت اور میرا کوئی نہیں ہے۔ اس پر نصیب
کو نہ کھولنا۔
تمہارا — بد نصیب
نریندر ناتھ۔

یہ خطرات کو ہی زندہ ناتھ خود تاراکانت کے نوکر کو دے گئے تھے۔

اکیسواں باب

سکھی! اور نہیں

رات تاریک تھی۔ ہر چار طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مات کو مات نہیں سمجھائی دیتا تھا
آسمان پر بادلوں کے چھنڈے کے بند نظر آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ بہت جلد بارش ہوگی

مادوں کے پردہ میں رہ کر بجلی کھلتی ہوئی نظر آرہی تھی۔
ایسے وقت میں بھکاری اندومتی گھر چھوڑ کر چلی۔ گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے ہی اندومتی کی
بیمینی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہوا چلنے لگی۔ اور دو ایک فوڈین بھی پڑنے لگیں اندومتی
نے اسوقت پاگوں کی طرح قدم بڑھائے۔ دوڑنے سے کیا ہوگا؟ دیکھتے دیکھتے موسلا دھا
بارش شروع ہو گئی۔ اندومتی کیسی حالت میں روئے لگی۔ بارش کے پانی کے ساتھ ہی اندومتی
مٹی کی آنکھوں کے آنسو بھی لے گئے۔

اسوقت نہایت ہی پاکیزہ صفات اندومتی مایوس ہو کر گمراہ مسافر کی طرح چاروں طرف
دیکھنے لگی۔ کس سمت سے کس طرف جائیگی؟ اس کا کوئی فیصلہ نہ کر سکی گھوم پھر کر بار بار
اُسی جگہ آئے لگی۔ تاریکی میں ڈوبی ہوئی دنیا دیکھ کر اندومتی کوئی راستہ اختیار نہ کر سکی
وہ راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ اس نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ کچھ زیر
بسطوفان رکھا۔ پانی بند ہوا۔ صرف رہ کر بجلی چلنے لگی۔ اندومتی کی جہانک نظر جاتی تھی
وہاں تک بجلی چمکی نظر آتی تھی۔ ٹھوکریں کھاتی کھاتی گاؤں سے باہر ہوئی۔
گاؤں کے باہری ایک وسیع میدان تھا۔ اس میں مالی کے سر بلک درخت تھے۔
وہ اپنا سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کا سایہ دیکھ کر اندومتی کے دل میں نہت پیدا ہوا
مگر اس خوف کو بیچ سمجھ کر زیندناہ کا نام لیتے لیتے میدان طے کیا۔ اور دو کوس گئے
نکل گئی۔ مکان سے جوڑ جوڑ ہو کر اندومتی زمین پر ہی لیٹ رہی۔

اس وقت آندھی پانی ٹرک گیا تھا۔ بجلی کی چمک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ چاند نکل رہا
تھا۔ گویا نور کی بارش سے صفحہ عالم نکھر آیا تھا۔ جاند کی تھرکتی ہوئی روشنی میں اندومتی کو
رفتہ رفتہ ایک بارغ نظر آ رہا۔ سوچا۔ کہ بارغ میں بیٹھ کر زرا دم ٹوٹگی۔ یہ سوچ کر وہ اُسی بارغ
کی طرف چلی۔ آہستہ آہستہ وہ بارغ میں داخل ہوئی۔ دیکھا بارغ کے وسط میں ایک بڑا
تالاب ہے۔ چاروں طرف پختہ گھاٹ ہیں۔ بانی دودھ کی طرح صاف شفاف تھا۔ یہ
تالاب بہت پُرانا تھا۔ بیچ بیچ میں سُرُخ کمل کے کتنے ہی درخت تھے۔ شگفتہ کمل کی
روشنی گھر کو خیزنازین دلاویر تبسم کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اندومتی پر مہر لطف نظارہ

دیکھ کر وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی۔ ایک گھاٹ کے زینہ سے اترنے لگی۔ کیوں؟ یہی جانے۔ ایک دو کدو کے تقریباً بیس بیس زینے اتر پانی کے پاس پہنچی۔ بعد ازاں بیٹھے بیٹھے پانی کو توتوج میں لاتے ہوئے خود بخود نہ معلوم کیا کہنے لگی۔ رفتہ رفتہ اپنے دونوں پاؤں پانی میں ڈالے۔ پانی کے اندر ان غول بصورت پاؤں کا حسن بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح ایک زلف نظارہ کا سماں دکھانے لگا۔ اندومتی بخوفی سے آہستہ آہستہ گلے گلے تک پانی میں پہنچی۔ اور دیر تک نہ معلوم کیا سوچ کر اس میں ڈوٹی کھڑی رہی مگر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ سانس بچھولنے لگا۔ اور گلا بھر آیا۔ اندوہ کیا تم مرا جاتی ہو؟ پانی میں کیا اسی طرح ڈوبنا ہوتا ہے؟ تم مرنا نہیں جانتیں۔ پھر مرنے کیوں آئیں؟ گھر لوٹ جاؤ۔

اندومتی نے ہماری بات نہیں سنی۔ مرنے کا پختہ ارادہ کر کے وہ اٹھا پانی میں جانے لگی۔ بکا بک یہ راگ کانوں میں سنائی دیا۔ اس پار سے نہ معلوم کون گارہا تھا۔

پریم سہمے محسوس لہر اٹھتے کوئی سون ترین نہ جانی
سختو جھنجھو میں لہر لہر ہے بوڑھ نہ کوئی ترائی
مشیم تہمیں کیوٹ ہو جاتر ڈوبت لیو بچائی
تمن اور سہلا ناہیں ہم تھہرے شمنائی
تبراہ تبراہ کرچن یہی ہوں لے لے مام تہہا
نفس دن ملے ہی من ماہیں دعاب اینا سہلا

اس راگ میں کیسے کیسے جذبات یہاں تھے۔ گویا محسوس دل میں لہر اٹھتی تھیں۔ اور پھر فضا ہو کر پانی میں ہم رنگ ہو جاتی تھیں۔ ان کا اتصال اور ملاپ ایک ایسا نظارہ پیش کر رہا تھا جس سے دل پر حقیقت کا عالم ظاہری ہو جاتا تھا۔ جسم کے ایک ایک عضو پر دیسی ترانہ سنائی دینے لگا۔ سارے دل کے تمام تار جھنجھنا اٹھے۔



اردوئی دورہ کچھ مکہ کی سی - دہلی -

گانا ختم ہوئے گا بنوالی نے کہا۔ اندواری اندو لا سکھی کیا کرتی ہے؟ میں آگئی ہوں۔
گانا سنکر اندومتی چونک اٹھی۔ اور آواز پچان لی۔ پانی میں ڈوب کر مرنہ سکی۔ جلد ہی جلری
پانی سے نکلا کر باہر آئی۔ اور بولی: شیل! تو میرے راستہ میں کاٹنا ثابت ہوئی؟
اندومتی اور کچھ نہ کہہ سکی۔ شیل بالانے پہنچ کر اندومتی کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں کی کھوپڑی
سے اسوقت منداکنی کی دھاررواں ہو کر دونوں کے سینہ کو تر کر دیا۔ عورت کا دل جیسے
دوسروں کی مصیبت دیکھ کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اور کسی کا
بھی ایسا ہے؟

جسوقت: ومتی گھر سے نکلا کر ملی تھی۔ اسی وقت شیل بالابھی کسی کام سے باہر نکل
آئی تھی۔ اسوقت ذرا دبا برش ہو رہی تھی۔ شیل بالا اندومتی کو ہانکوں کی طرح دوڑتے
دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ کوئی زبردست مصیبت درپیش ہوئی۔ ایسے برے وقت
میں کہیں جانا۔ سخت خطرناک ہے۔ اندومتی کی رداٹگی کے وقت اسے کچھ برا بھلا کہے
کا موقع نہیں ملا۔ بالخصوص شیل بالاکو اسوقت اپنی نواگاہ میں جانے کی خواہش ہوئی
تھی۔ اس وجہ سے اس کے آئے آتے اندومتی دوڑتے پہنچ گئی تھی۔ شیل بالاسوقت اورو
ومتی کے پیچھے پیچھے چلی۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے اسے نہیں دیکھ سکی اور پلٹتے چلنے باغ
پہنچی۔ تالاب کے پانچھ پر اندومتی کو دیکھا۔ پہلے تو دیکھ کر کچھ نہیں بولی۔ صرف اس
کی حرکات کا تاثر دیکھنے لگی جب دیکھا کہ اندومتی مرنے کے لئے پانی میں ڈوبنا چاہتی
ہے۔ اسوقت شیل بالاکے دل میں بہت خوف معلوم ہوا۔ اس نے گانا شروع کیا۔
گانا سنکر اندومتی ڈوب نہ سکی۔

جو جو۔ شیل بالانے اندومتی کے آنسو اپنے آپٹل سے پوچھے۔ اور تیا مانہ اندان سے کہا۔
یہاں کیوں آئی؟

اندومتی خاموش تھی۔ مگر یہ بات سنکر اندومتی کی آنسوؤں کی دھار چشمہ کے پانی کی طرح
ہوئی۔ شیل بالانے ہیر کہا۔ سکھی! بتا کیا ہوا؟
اندومتی خاموش تھی۔ مگر یہ بات سنکر اندومتی کی آنسوؤں کی دھار چشمہ کے پانی کی طرح

جوئی۔ شیل بالانے پھر کہا۔ سسکی! بتا کیا ہو؟
اندومتی نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صرف روتی رہی۔ شیل بالانے اندومتی کی یہ حالت
بیتابانہ انداز سے کہا۔ یہ کیا سسکی۔ کچھ کہتی کیوں نہیں؟
اس مرتبہ اندومتی نے اپنے آپ پر جبر کر کے کہا۔ سسکی! جی جلتا ہے۔ اس لئے روتی نہیں
مرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی۔ اسی لئے یہاں آئی ہوں۔
شیل بالانے گہرا کر کہا۔ چھی!۔ چھی! کوئی ایسی بات بھی کہتا ہے۔
شیل بالانے اسوقت اصل حال جانتے کے لئے اندومتی سے اصرار کیا۔ اندومتی اب نہ
چھپا سکی۔ روتے روتے تمام داستان بیان کی۔ شکیل بالانے منکراتے ہوئے کہا۔
چھی! اسی لئے مرے آئی ہے۔ خودکشی گناہ عظیم ہے۔ سسکی۔ یاب کا پھل تو بھونٹا ہی پڑ گیا۔
اندومتی نے روتے کہا۔ سسکی! جس دکھ سے میرا دل جل رہا ہے۔ اُس سے تو موت ہزار گنا
بہتر ہے۔ میرے ایسے نصیب کہاں؟ ایسا کوئی پتہ کاغذ بھی نہیں جس سے پھر شوہر کے
قدوں کی سیوا کر سکو گی۔ یہ امید مومن ہے۔
سسکی! رنج نہ کر ضرور ایک دل چھٹا آئیگا۔ مصیبت بہت دنوں تک نہیں رہتی؟
اندومتی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ مجھے آنکھوں سے تیاگ۔ اس کا دکھ سے رہیں۔
اسی میں مجھے سکھ اور سناہتی ہے۔ ایسے دیوتا کی میں پوجا نہیں کر سکو گی۔ مجھے اسی بات
کا دکھ ہے۔

شیل بالانے اندومتی کو سمجھاتے بجاتے کہا۔ سسکی! تمہارے دیوتا پر کسی کا کوئی
ادھکار نہیں اُن کی مورتی کا جلوہ تیری رگ رگ میں ہے۔ اس وقت دل میں بٹھا کر
بھکتی بھاؤ سے اُن کی پوجا کر۔ اگر اس مجھ میں نہ پایا۔ تو اگلے جنم میں ضرور پائگی۔ سسکی پھر
بچھے اور کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟
اندومتی خاموش ہو گئی۔

پانی میں دیر تک رہنے کی وجہ سے اندومتی کے تمام کپڑے ترسڑ ہو گئے تھے۔ اور وہ
سر دی سے کانپ رہی تھی۔ شیل بالانے جلدی جلدی سے ایک کپڑا دیا۔ معلوم ہوتا ہے

اُتے ہوئے شیل بال پھر وہ کپڑا لینے کے لئے ہی واپس گئی تھی۔ جو ہوا ندو متی نے کپڑا پہنا۔ شیل بال نے پوچھا۔ بسکھی! اس وقت کیا کر رہی؟ چلو دو نوں گھر لوٹ چلیں۔
اندو متی نے مضطرب ہو کر رقت آمیز لہجہ میں کہا: بسکھی اب وہ بات نہ کہو۔ اُس راستہ میں کاٹنا کچھ گیا۔ اب وہ کیا یہ بد نصیب منہ دیکھینگے؟
شیل بال کہیں؟ بسکھی!
اندو متی: تم سے سب تو کہہ چکی ہوں۔

اندو متی نے اور کوئی بات نہیں کہی۔ دل ہی دل میں سوچا واپس جانے کی کسے خواہش نہیں ہوتی؟ اُس پاک اور پیارے پیارے منہ کو کسے دیکھنے کی خواہش نہیں ہوتی مگر واپس کس طرح ہو گئی؟ اور کون فقہ دکھاؤں گی؟ یہ نفرت آمیز کلنگ کا ٹیکا اس بد نصیب کی پیشانی پر لگا ہے۔ اُس کا خیال آتے ہی لہر کا پیالہ پی لینے کو طبیعت چاہتی ہے۔ اور دل میں آتا ہے۔ یہ جلا ہوا منہ کیونکر لوگوں کو دکھاؤں گی؟ اور کیوں اُن کے دل کو تکلیف پہنچائے کے لئے جاؤں گی۔ دھرتی مانا! تم اپنا سینہ چاک کر دو۔ میں امیں سما جاؤں۔ تاکہ اس دکھ درد سے نجات پاؤں۔ پھر سوچا۔ عورت کو لازم ہے۔ شوہر کے شکم کے راستہ کو صاف رکھتے۔ میں اُس راستہ میں کاٹنا ثابت ہونے کے لئے کیوں جاؤں گی۔ بولی بسکھی! اب میں گھر نہ جاؤں گی۔ اس وقت میرا مزہ ہی بھلا ہے۔

یہ کہتے کہتے اندو متی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ وہ ٹھوٹ ٹھوٹ کر روئے لگی۔ شیل بال نے سوچا تھا۔ اندو متی کے دل کو کسی قدر تسکین ہونے پر میں اُسے سمجھا بھگا کر گھر واپس لے جاؤں گی۔ لیکن اندو متی کے دل مازک پر گئے ہوئے سخت زخموں کو دیکھ کر اُس کی یہ امید مایوسی سے تبدیل ہو گئی۔ مگر پھر بھی اُس نے خیال کیا کہ ایک مرتبہ اور بھی کوشش کر دیکھوں۔ شاید میں اُسے گھر واپس لیا جائے میں کیا اب ہی ہو جاؤں اسی لئے اُس نے کہا۔ بسکھی! چلو۔ اب گھر واپس چلیں۔
اندو متی نے پُر اضطراب لہجہ میں جواب دیا۔ نہیں بسکھی! نہیں۔ اب میں ہرگز نہ جاؤں گی۔

میسواں باب

خط کا جواب

دن بہت تھوڑا رہ گیا تھا، راکا بہت باہر کے کمرے میں من تھا ایک دھوٹی اور پٹھے ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن کا دل بہایت غمگین اور مشتعل تھا۔ نزدیک نہ تھا کہ خیال رہ رہ کر انہیں بچپن کے دیتا تھا آنکھوں کو دگر دگر دیکھتے آئے، تم کیوں باہر آتے ہو؟ عامر میں دل میں رہتے ہوئے کیا کہیں تکلف ہوتی ہے؟

یہ ایک چٹھی رسال آیا اور راکا کا نت کے ہات میں ایک خط دیکھا۔ تارا کا نت نے پڑھنا شروع کیا۔

کاشی پوک آشرم

۳۱ جولائی ۱۹۸۷ء

تارا کا نت

سات دن کی متواتر کوشش کے بعد کاشی آیا ہوں سوچا تھا یہاں آتے ہی دیکھ کر دیکھ کر جاؤں گا مگر عارف جی ہمارے میں غیر مکمل ہوں یہ جو کم کا آدھا حصہ نہیں ایک کچھ دیکھنے میں کیا نام نہ؟ ایک کچھ ہے میں یہی تصور دیکھنے کا ضرور تھا ہمت نہ ہوں سوچتا ہوں کہ یہ میری امید ہوئی کہ میں یہاں کیا نہ ہو ہمارے بڑے بھائی کے پاس جاؤں گا کہ یہاں کے حالات نہ دیتے۔ تو بچہ خط بھی نہ لکھ سکتا۔ ان سات دنوں میں جن جگہوں سے تارا شہر کاؤں جنگل۔ غرض۔ جہاں جہاں چرا ہوں۔ وہاں کہیں بھی اندر مٹی کا بیڑہ نہیں چلا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ مجھ پر ابھمان کر کے ہمیں چھب رہی ہے۔ ہمیں۔ یہاں تک کہ وہاں نے مجھ پر ابھمان نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ میں نے کبھی اپنے اوپر اندر مٹی کو نہ لایا کرتے تھے دیکھا میری آنکھیں نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے نہیں دیکھ پاؤں۔ میری آنکھوں میں کبھی نقص ہو گیا ہے۔ ہمیں سمجھ سکتا اگر ہم معلوم ہو تو کہنا

آئے نہ مے ایک خط لکھ آیا تھا۔ امید ہے کہ میں اب تک لکھ گیا۔ وگا اس خط میں میں نے

لینے والی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت بھی بہت کچھ لکھنے کو تسلیم چاہتی ہے۔ رگر بارڈ
 لکھ کر نہیں نکلیں نہیں دینا چاہتا مگر اسے مسکرتہ لکھنا آسنو بیادگی اور میں نہیں لکھی
 نہیں دیکھنا چاہتا۔ بدعصب — فریڈر

مگر آئیکہ — میرے مابہ کی خدمت کرنا۔ تم بھی تو میرے ایک صفائی ہو یا اس آئیکہ شخص
 کے آج چاہتے تھے۔ لکھ نہیں سوائے اس دنیا میں مابہ بیٹے کے لئے مجسم
 بنائے۔ نائن — لکھنا۔

تاراکہ پر مسموم — میرا خود تیریں مار چکا تھا۔ اور ابک گہرا سانس لیا۔ پھر خط لکھنے بیٹھے
 لکھا۔

آئیکہ پر

۵ ارجیانی سہ ماہی

رہنہ۔

تمہارا خط، یہ خط بھی یا ایسا تھا۔ تمہاری عدم موجودگی سے ہم سب دکھی ہیں۔ تم
 ہم لوگوں کو کسنا تھا۔ آئیکہ مگر اس کا اظہار اس خط میں کیونکر کر سکوں گا معلوم ہوتا
 تھا۔ اول اس وقت بہت مضموم اور مسکرتہ "تمہاری کو ماں سے زیادہ غریب تھے
 تھے اس کی حدائی میں م لکھی تھو نہ مائیکہ ہے گہرا عجب کہ س تم اس قدر مزہ نہ تو
 ہو نوا، وقت کے میں اب دیر نہیں ہے۔ دک کے بددی سکھ — یہاں تھا کہ تیرا ہوا
 مابہ دونا تھا تمہاری آرزو تو یہی کرتے۔ اور اب ات ہے۔ تم نے دشمنی کے درشن
 یہ احتیاج میں کیا۔ جب وسوسہ نہ رہا۔ اس قدر دوا ہے۔ جہاں کے درشن نہ کرنا یہ کسی
 ملتی ہے۔ تم نے ایک بیوی کی دو بیگھڑیاں اس میں ملی ہوئی اکثر دکھی ہوئی۔ جب وہ
 علیحدہ ہے تو بھی آئیں میں لی رہی ہیں۔ اسی طرح تمہارا اور ات کوئی کا تعلق ہے
 اندر مرقم اور مثلاً احاطہ اس دنا کا ہی نہیں۔ بلکہ اگلے جنموں کا ہے۔ کوئی ایک
 دو سر کے کو مسموم — میں سیکری اسے لکھنا۔

اسی لئے لکھنا ہوں۔ نہ کسی طرح کے دشمنی کے درشن کر د۔ تمہاری آرزو تو یہ

ہوگی محبت لافانی شے ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت کوئی شے نہیں ہے۔ اس نے اندرونی کے بغیر اور کوئی شخص مہاری آنکھوں کا مرض دور نہیں کر سکتا۔ تمہارے لئے تمہارے ماں باپ کلپ رہے ہیں۔ جتنے جی ہن کی حالت مردوں سے بدتر ہے۔ ان کے دل کو تکلیف پہنچانا کیا مناسب ہے؟

کچھ روپیہ بھجوں کیا۔ پانس کچھ رہا بہت ضروری ہے۔ سفر میں کتنی جی بھینٹیں آتی ہیں کچھ تکلیف نہ ہونے یاے۔ سب بات کا بہت خیال رکھنا۔ رائے دہانے سے بھاری اور اندویش کی تلاش کرنے کے لئے جا بجا آدھی بھیجے ہیں۔ میں تمہاری جدائی سے بہت دکھی ہوں۔ ہمشہ اپنی حیرت اور مزاج کا حال لکھتے رہتا۔ یہ تم کو لکھنا۔

تمہارا — تارا کا ست

تارا کانت نے خط حتم کر کے فوراً ہی ڈاک خانہ میں بھجوا دیا۔ اور رائے دہانے کے کھر میں خط کا مضمون تارا کانتی کی راہ لی خط میں کانتی کی روانگی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ شاید یہ جبرئیل زبیر زنا تھ و ماں سے اور کہیں چل دیں۔

وقت مقررہ پہنچنے کا جواب پہنچا۔ خط پاکر زبیر زنا تھ کسی قدر متفکر ہوئے۔ اس کے بعد جواب میں لکھا: زبیر زنا تھ یہ بھیجے کی ضرورت نہیں۔ ازلتہ ہی اس کے جڑ پے میں باپ کی مخالفت اولاد ہوں۔ ان کی خدمت نہیں کر سکا۔ انھیں سکھیں نہیں بنا سکا۔ تم ہی کو مشدہ کرنا میرے پاس اب خط نہ بھیجنا۔ کیونکہ میں جلد ہی مقام بیٹورہ وول گا۔

جیہ خط لکھ کر ڈاک خانہ میں پھوڑا ہے۔ چھٹی رات تارا کانت کو نہ پا کر وہ حط رائے نہا شے کے کھر دے آیا۔ خط پاکر لکھ دیا شے یہی ہو کر میں پڑ گئے۔

پیشہ و ادب

دیر اند میں !

اندویش چلی گئی تھی۔ اگر کسی کی ہستی تھی۔ تو وہ صرف علم و الم کی۔۔۔ کیا بالائی گئی تھی صرف چھایا رہ گئی تھی۔ جسم کی موجودگی میں ہی زندگی کا سکھ اور تانی ہے۔ تمام رس دار

چترنوں وقت یسرگل کرا بیانا نام صفحہ ہستی سے شادی ہی ہیں۔ مگر جیایا۔ چننا کی گود میں پناہ پا کر بڑھتی رہتی ہے۔ حوزہ بند راتھ کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ آج وہی دیکھنے لگے۔ سوچنے لگے۔ اسوقت اس خیالی امدوسنی میں ہستی ہی نئی نئی دلکشی نظر آئی کتنے لطیف خیالات کا فوارہ رواں دواں نظر آیا۔ یہ اندوگویا وہی اندوہ گویا یہ سورگ کا جلال ہستی انیوں شک و شبہ میں پڑا کیوں پچو یا توں میں آپ ہی کلباڑی ماری؟ میرے کیا نہیں تھا؟ یریم۔ پریت۔ دیا۔ دھرم۔ ہنسی۔ غصہ۔ شہنشاہی عرض کیا نہیں تھا؟ میری امدو میرے یقیہ کا پھل تھی۔ محنت کا نو شکستہ مکمل۔ عفت۔ دھرم کی محنت۔ نصویر تھی۔ اُسے کیوں کٹک لگا باہر عفت و عصمت کا وہ ستوں شاید ٹوٹ گیا مکمل شاید خشک ہو گیا؟ آہ۔ اُس ستوں سے پیار و محبت کی کیسی خوشنما بل لیٹی ہوئی تھی۔ اُس میں کسے کیسے دلفریب بیوں پھولے تھے۔ اُن کی ہنسی کبھی۔ آخرت جو کبھی۔ اور رنگ کیسا دلاؤ نہ تھا؟ میں ترک کا کیڑا ہوں۔ بھول میں نہ ہر دیکھا۔ نازک پھول تو تھا مگر گر پڑا۔ اور میں مرد ہوں۔

رسمہ اچھے مارا کات کو خط لکھتے ہی کاتتی چھوڑی۔ کاتتی چھوڑ کر جا بجا امدوسنی کی کی تلاش کرنے لگے۔ لہیر کھلے بے امدوسنی کی فکر کرنے کرتے زمینہ راتھ کا جسم سونکھ کر کاٹا ہو گیا۔ بھوک پیاس جانی رہی اگر کسی نے کھانا کو فہ دیا۔ تو کھایا۔ ورنہ یوں ہی رہ گئے۔ رتہ رسمہ حالت ہو گئی کر اگر کوئی دیکھا۔ بوجھان۔ باآ۔ ہر وقت اُنہیں ہی ایک فکر رہتی تھی کہ امدوسنی کی کیا کوئی امدوسنی کی فکر دیکھ کر سرف اسی حال میں خود ہو کر وہ تمام جب تیر کر رہے تھے۔ کما۔ کے راستہ میں بدیا کے وہ میں غرض جہاں دیکھو دمس جٹھے ہیں۔ معلوم کیا میرا تے تھے۔ لوگ دیکھ کر ہنستے تھے۔ خود کھنکھاتا۔ کہتا تھا۔ کہ ماضی ہے۔ اگر اب پہنچ تو بلکہ ہی جوتا۔ گازیہ راتھ کا دلی ہر وقت معلوم اور اوداس رتنا تھا۔ طرح طرح کے خیالات آتے تھے۔ اسی فکر میں رہتا تھا کہ جا بجا امدوسنی کی تلاش کرے رہے مگر کبیں کوئی سراغ نہیں برسات کا موسم تھا۔ اسادھ کے آخری دن تھے۔ منج سے دوپہر تک لگاتار پانی برستا

راہ۔ اس کے بعد اس زو کی دھوپ ہوئی کہ تمام کائنات تپنے لگی۔ راہر وکدہ کے درختوں کے نیچے
 ٹھہرے تھے ایسی شرابا دھوپ میں رہند راتھ پاگلوں کی طرح دوڑتے پھرتے ایک مثال
 میں بیٹھے۔ دیکھا۔ شمشان کا کوٹا کوٹا مٹی پر مٹی اسٹر کی ایک سے ہر پور ہے کتنے ہی لاشے
 نیم سوختہ لکڑی کی طرح آہستہ آہستہ رنگ سے تھے۔ کہیں کہیں آگ کے شعلوں کی
 لہرٹ سانپ کی ران کی طرح لپٹاتی ہوئی۔ دھوکا دھوکا ہیناں گ لعلہ الما پ رہی تھی۔ بعض
 عورتوں کے لاشے۔ اُس کے گھونگر والے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور چوٹی کے کچھ پھیکا نظر
 بہت سے لاشے ہر نہایت پھیلاتی ہوئی تھیں۔ ان کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ اور ان کے منہ میں لاشے تھیں۔
 شمشان کے بیچوں بیچ ایک مردہ کئی پڑا ہے۔ کتنے کے جسم میں ناک اور منہ سفید تھی
 باقی تمام جسم رنگ رنگا۔ عاقلی کے درخت تھے۔ نرندنا تھے۔ نرندنا کے درخت دیکھ کر سو
 مانتھی، شمشان میں تھیں۔ ای کیا ضرورت؟ ان کہیں کیا اس دیا میں اور کبیر
 نہیں ملے۔ اے — تھے یہاں دیکھ کر کتنا دکھ ہوتا ہے؟ کتنی ہی دکھ درد کی باتیں دل
 میں آتی ہیں۔ وہ اب کیا کہوں؟ ان خیالات کا شمار نہیں۔ بے شمار ہیں۔ ماں! تھے شمشان۔
 میں دیکھ کر حوصلہ کھو کر رہا۔ غم میں غرق ہو جاتا ہوں۔ گدستہ شکہ کی لپٹ پھیکی کی
 دل میں نے حد تک صبر کیا ہے جسم ہاں چرک اٹھتے ہیں ماں! ہر تم شمشان میں کون
 سوچتا ہوں تم دیا کو یاد کر یو الی ہو۔ ماں! کتا کچل کے دکھ کے ساتھ ہی مٹی آتے
 چھوڑ سکتی ہو؟ اسی وجہ سے خیال ہوتا ہے۔ کہ مائیکھل کے کبان کے لئے اور پچھل
 کل حیا چہرہ دیکھنے کے لئے شمشان میں آکر برا حمان چوٹی ہو ماں! اسٹا یہی وجہ ہے
 کہ مانا ہر صانع جی سے روتی ہو۔ اور جھم جھم آسٹو جاتی ہو۔

ہندوستان کا یہ لطف ساعا۔ نظارہ اور کہاں؟

شمتا ہوتی ہے۔ درپردہ تھی اس کا الی زور تو یہ ہے۔ سہ رہتا ہے ایک میرور نفرتی کے لئے ہی
 تھی ساتھ ساتھ ہی رشتوں کو جو اس کی سرسبز پھل پھل رہی تھی اس صلا شفا باقی مایا بعد
 ہوتا تھا لویا درخت دوسرے جابو ہیں صرف دو ایک پیلے کے۔ رخت ستر اٹھائے ہوئے پہرے ساتھ جیتے

ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کسی کسی کے ہتھ کستی کے قدم حوم رہے تھے۔ کہیں کہیں سرِ شاہِ مروتوں اور اہل کی شاخوں میں مذی بنا ہوا گزین نظر آ رہی تھی بعض شاخ زریہ و شہت اچھے گہ شہتہ سکھ کی یاد میں غلبہ دکھائی دیتے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے لوگوں کے گرد وہ ذی کے پاؤں آتے جاتے تھے۔ اور گردہ ناکر جا پا کر طے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اُس ندی کے کنارے ہی شمشان کے پاس لڑکے کھیل رہے تھے۔ زمین پر ناتھ کو وہاں دیکھ کر لڑکے اپنا کھیل کو چھوڑ کر ان کے سامنے آ موخو ہوئے۔ ۱۔ اراُن کے شہد کی طرف دیکھ گئے۔

”تجھو تجھو اڑ لو گلو اسی طرف تاکتے دیکھ کر نرمیز: ہنسنے لگا۔ کسوں! تم لوگ اس انداز سے کیا دیکھ رہے ہو۔“

لڑکوں میں جو ذرا سیانہ تھا۔ وہ بولا۔ آپ سے ایک بات کہئے آنا ہوں۔

نزد ناخن پیر سے لہاؤ کیا بات سے میٹے۔ کہو؟

لڑ گئے۔ یہی آپ ہیں عائشہؓ اس شان میں ایک بہ دست محوت، ہوتا ہے۔ اس جگہ
 اگر کوئی دویہ گویا ات کو اکیلا آتا ہے۔ تو یہ تہی سلی توڑ کر اگلے لیتا ہے۔ تمام ہو رہی ہے،
 آپ، ملکہ ہاگ، مانیر۔ جلد بھاگئے۔ یہ دیکھو۔ ہم لوگ ادا رہے ہیں۔

یہ کہہ کر ان لڑکوں نے دم کے دم میں وہاں سے دوڑنگائی شروع کی۔ اور حلد اپنے اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ اُس وقت شام ہو چکی تھی۔ سربراہ خانہ نے جہاں سے سوچنے لگے۔ بھانوان سب تہیں نامے اور تہیت پاوان کہتے ہیں۔ مگر میں تو تمہاری دیا کا ایک لکڑی نہیں دیکھتا۔ آج ان لڑکوں میں جو دیا۔ جو رد۔ اور حوشت ان بچوں میں دیکھی۔ اُن کا عشر عشر بھی تم میں نہیں لوگ کہتے ہیں۔ کہ تم دیا لے بھنڈا رہو۔ میں کہنا ہوں۔ تم بچے رو رہو۔ سگدل اُنہیں جو دیا لے کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اور بھی سگدل ہے۔ کیونکہ تہیں تہیوں لیکروں! سگدل کو پکارے سے کیا فائدہ! نہ لیکارے میں ہی سکھ شانتی ہے۔ تمہاری سستی کا خیال ہی طرح کے شکوک میں ڈالتا ہے۔ اگر تمہاری موجودگی نہ تسلیم کی جائے۔ تو پھر خوف کیا ہے! اسی سے لہنا ہوں۔ کہ تہیں لیکارے بس اس قدر تکلیف

لے دین بندھو! میرے یا پورا، باغ فاختہ کیا سوت۔ تب پہلے ہوا، چوٹی کٹی مٹتی مٹتی ہے۔
 سے زبردست اور طاقتور انسان بھی ہو گیا تھا۔ آج وہ میں تھا، اسے نزدیک رہے، میرے
 ہوں۔ ہماری یہ عاجزانہ آواز کیا ہے؟ کالرر کہہ نہیں سکتی کیا تم میری محبت اور
 درد نہیں دیکھ پا رہے۔ کیا تمہارے دل میں میری محبت نہ ہو۔
 اس کا کیا سبب ہے۔ میری تجھے میں نہیں آتا۔ ایدو لوگ مجھ سے۔

[illegible]

چھاپا۔ مٹی میں جا پڑنے کے خوف سے کوئی اسے کھارے کھارے نہیں ٹٹا رہا۔ یہ بھی
 والوں نے منع کیا۔ مگر انہوں نے کسی سے روکے کی سر راہ ہند کی۔ سردر چلے گئے۔ چلتے
 چلتے بیکار یک قدم چھیلنا زمین کھسکی۔ اور دو دیوانوں میں جا گئے۔ دیکھتے دیکھتے والوں میں سے
 کسی کسی نے سردر نہانے کو پانی میں سے رالہ کی ہر چہ کہ جس کی۔ گردانی کی ٹرسر
 لڑوں کے بہاؤ میں بہتے ہوئے سردر راجہ اکاں رٹوٹ گئے کی نہیں دیکھ سکا۔

پہا

شک تارا کا سبب یہاں تک سلیمہ الطبع اور پاکیزہ صفات شخص تھا اس کے گھر میں ہر طرح کا شک تھا۔ جائیداد بھی تھی۔ اسے سرائے نام حراج و تجارت تھا۔ اس کی روح معقول تھی۔ اور رعایا محنت و فدا پر ڈالتی تھی۔ اس وقت اس کی آزمائش کا وقت آگیا تھا۔ راجہ نے اس وقت بیل میں سدا کا حکم ملازمت کر کے جو تنخواہ ملتی ہے۔ اسی سے گربستی ملاؤں کا روز بروز راجہ کی باتیں چھ سے رداست نہیں ہو سکتیں۔ ماحولہ راجہ اور قندی دونوں کی یکساں حیثیت ہے۔

یہ سب کچھ روح کے بیرونی چلے۔ شک تارا کی طرف متوجہ نہ ہو کر اس سے دیکھ رہی تھی۔ وقت رخصت آنکھیں چار چوٹیں۔ کتنے آنسوؤں نے قیمتی ثوبی زمین کو سہرا بن لیا۔ اس کا سبب یہ نہیں۔ روئے راجہ صاحب رخصت ہوئے شک تارا

ثوبت بھی جاموش سے دیکھی رہی۔

دعہ آئب آوارہ کالوں میں آئے لی۔ بہنگ۔ وعبرہ آوارہ دریا ریکار کی کہنے لگے۔ اوسا
 جھوٹا سا گلوں؟ آہ تارے روتے رتے کہا دعہ بی بی لڑکی کہتا ہی آج آکھیں
 کھٹکی۔ سو یا دعا۔ کہ تجھے سچہ مگر میں ہی ساہ دولی۔ نگرا۔ اما ناظر میں آنا سب کہتے
 ہیں۔ اس کے ساتھ کہہ کر بی بی کا کام میں چلیگا۔ کیڑوں؟ اب تک ہی شری شوجی ہیں
 گم۔ انا۔ وہ ان کی سوا کھینچ نہ تھکتا۔ رہی بھو اچھلے دے ہر لڑکے بھولے۔ کہہ کر بی بی جی ہانکی
 ڈرتا۔ وہ۔ بڑا بڑا کی آجھو ہر اگرت۔ آواز نکھائی دینے بند میں بہا۔ جیو۔ ہی جس رفت رفتہ شکار
 سے۔ نکھانے میں بی بی کی۔ جیو کی چھوڑ کر آواز سنی بھیرو نے۔ زور دے پہنائے۔ رشا کا سہرہ
 بھیرو سے مرنے۔ دے۔ وہ اودھ دھڑ دھڑنے لگی۔

ٹھیک تار کی ایک سوت تھی۔ اس کا نام کمڈنی تھا۔ ٹھیک لڑنے اوشا کا ناز و سحر کا ایک سوت کے پاس بھیج دیا۔ اور خود بھی چلی۔ کمڈنی اوشا کا یہ ناز و سحر دیکھ کر تیل کے مہین کی طرح جل اٹھی۔ انہیں ایہ تو شادی کا سنگار ہے کمڈنی نے کہا۔ کینٹ امیر کے گھر میں تیرے لئے عقد نہیں ہے۔ مارے خاندان پر یوں ہی سورج دیوتا کی نظر ہے۔ یہاں تجھے دیکھ کر اوشا گللا کی ساڑھی پہنے ہوئے سنجیدگی سے ہنسنے لگی جیسے اس نے کمڈنی کی مات ہی نہیں سنی۔

کمڈنی نے دل ہی دل میں سوچا۔ بڑی سونیوالی لڑکی ہے۔ اس کی شادی بھی کسی ایسے لڑکے کے ساتھ کرنی چاہئے۔ چر خوب سونیوالا ہو کنبہ کر لیکھا مر کبا؟ حیرا کوئی ایسا ہی۔ برڈھوڈا ماڑے گا۔ کمڈنی اسی فکر میں غوطہ زن تھی۔ ناظرین! آؤ سم اندومتی اور پیل کو دیکھ آئیں۔ اوشا کی شادی کے موقع پر ہم آپ کو نوید دیئے۔ آئے اب یہاں نہیں بھر بیٹھے۔

اس دنکس آفت کی شاعروں کے نکلنے دت اندومتی نے اپنے تمام جسم میں جھوٹ ملی اور خوف سے کہتا ہے اس کا حسن بیچ اسے کسی ہلا میں نہ بیسائے۔ مگر جھوٹ رمانے سے کیا ہو گا۔ اندومتی کے حسن بیچ کی شاعر میں خوبصورت رتن پر تھکتی ہوئی گزروں کی طرح جھوٹ کو جکڑ رہا تھا۔ ہوئی نور کا نظارہ دکھائے لگی۔ یہ سب دیکھ کر شکیل بالانے ہنسنے پڑے کہا۔ سبھی ایک کرتی ہے! سوئے کے جسم کو مٹی سے ڈھکتی ہے۔ اندومتی نے گھڑا اسٹا طہا کر کیا۔

شکیل بالان اندومتی کی گھر آہٹ بچھ گئی۔ اس نے کوئی بات نہیں کہی۔ صرف دل ہی دل میں بڑی سوچا۔ کنگر موٹے طہا کو ایک دن یہ نام انہیں کہہ کر خوب ہنسوا لگی اور چٹاؤ لگی جب اندومتی جھوٹ لگا چکی اسوقت دونوں نے راستہ اختیار کیا۔ شام تک سجدہ سے جیتے ہیں۔ راستہ میں ہر اندومتی نے دھجا وہی کیا۔ ٹھیک شام کو وہ ایک گاؤں میں پہنچی۔ گاؤں بہت چھوٹا تھا۔ آبادی معمولی تھی۔ اگرچہ آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ تاہم گاؤں بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ قدرتی دلکشی اور دلاویزیوں کی وجہ سے موسم بہار کا

ایک دلکش خرقہ نظر آتا تھا۔ دووں گانوں میں پہنچ کر گھر گھر کے پھیرے لگائے لگے مگر کہیں بھی ٹھہرنے کی جگہ نہ ملی۔ تمام دن کی مسافت کے بعد ٹھہرنے کی بھی جگہ نہ دیکھ کر اندوہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مکان سے چور چور ہو گئی۔ مگر زمان سے کوئی بات نہیں نکالی۔ دل کی تکلیف دل ہی میں رہ گئی۔ **شیل بالا** اندوہی کی گھراٹ اور دکھ سمجھ گئی۔ اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لگیں۔ اپنے دکھ سے نہیں۔ بلکہ اندوہی کا حال رار دیکھ کر

رات کا وقت تھا تو سائے تھے۔ جائیداد آہستہ آہستہ ایسی متور روستی میں عتہ نام پر پھیلا رہا تھا۔ اس وقت اندوہی و شیل بالا گھر گھر گھوم پھر رہی تھیں۔ مارے مارے میں امید سے متبدل ہوئی۔ گھومے پھرتے ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچیں۔ اس مکان میں دو کھنڈر تھے پہلے بھی اس میں بودا ایک کمرے تھے۔ اس وقت ان کی بھی حالت خستہ تھی۔ مکان کے چاروں طرف نہ نینک۔ ہم۔ نازیل۔ چھوڑ۔ تال۔ میاری اور حامن وغیرہ کے درخت تھے اس مکان میں دو عورتیں رہتی تھیں ایک صعیبہ یعنی اور دوسری **شیل بالا** کی ہم عمر تھی نام۔ مادھوری۔ مادھوری کا حسن نہایت سادہ برادر و لفریب تھا۔ صعیبہ مادھوری کی ساس تھی۔ اور ہمارے برادرہ میں بیٹھی ہوئی۔ یان تھا۔ ہی تھی۔ دامت رہوے کی وجہ وہ پان پیر، جاسکی تھی۔ اس نے پاں کوٹھے کوٹھے کہا۔ مادھوری، مادھوری اٹھا چکی؟

رسوئیں حانہ سے مادھوری نے جواب دیا۔ یہ کھائے بیٹھی ہوں۔ تم سو رہو۔

ٹھہریا کو کھلا کر مادھوری جو دکھائے بیٹھی تھی۔

بڑھیا نے پھر کہا۔ تو اکیلے گھاٹ پر جا سکی۔

مادھوری نے پھر کہا۔ ہن تقیر ڈالتے ڈالتے کہا۔ جا۔۔۔ سہ۔۔۔ کی

گھاٹ مکان کے پاس ہی تھا۔

بڑھیا اس وقت سوئے گئے تھے۔ اُس وقت شیل بالا نے کہا۔ ہم دو عورتیں ہیں آپ کے

گھر میں کیا بھر سکتی ہیں؟

بڑھیا نے بیجا کئے ہوئے گھر کے اندر جا رہی تھی۔ شیل بالا کی مات سنسٹا کی طرف دیکھ کر

بولی: ”یہاں جگہ نہیں کسی دوسرے گھر میں جاؤ“
یہ کہکر وہ مکان کے اندر چلی گئی

بڑھیا کی بات سنکر اندومتی و مشعل ادا اس ملیں۔ اتنے میں پیچھے سے مادھوری نے
کہا: ”جاؤ نہیں۔ جاؤ نہیں۔ بٹھو“

اندومتی اور مشعل بالاکو گویا ہفت اقلیم کی دولت لے آگئی۔ واپس نہ ہو سکیں گھر میں
صوڑا بہت جو کچھ کھانا تھا۔ وہ چھوڑ کر جلدی سے بات سمجھ دھوکر مادھوری اندومتی کے
پاس آکر بولی: ”بہن! تم لوگوں کا گھر کہاں ہے؟“

مشعل بالاکو کل پورے پاس!

نزد پورے پاس ہی گوکل نے۔ گاؤں تھا۔ صبا گاؤں کا۔ شیدہ رکھا۔ مادھوری کو
یقین آگیا۔ بولی اس گاؤں میں کہیں آئی ہو؟

مشعل بالاکو جواب دیتی: ”سو پندرہ آٹھ۔ نہ پندرہ۔ چھک۔ مانگھ۔ مادھوری بہت تعجب ہوئی۔ بولی: ”یہ کون سا گاؤں ہے؟ جھک۔ اس میں؟ اور اسی سے
بہناری گدرنسر ہوئی ہے۔“

مشعل بالاکو۔ ملتی کیوں نہیں؟ کبھی کم کبھی ر۔

دل ہی دل میں بولی: ”ماتھے کا اس پاس۔ ماتھے۔ اگر کوئی حسرتیں ملیں۔ نووہ پالہ
اندومتی نے اب گہرا سانس لیا۔ بولی: ”۲۰ من مٹور۔ دان ہوئے ہم دوں جھکارتی
ہوئی ہیں۔“

مادھوری نے اس وقت اندومتی کے غصے میں اپنی دلوں یاں ڈال دیں۔ کیوں؟ ایسا کیا
کہہ نہ سکی۔ معلوم ہوتا ہے۔ اندومتی کی باتوں سے اسے چوٹ لگی تھی اسی وجہ سے مادھوری
نے آسکھوں میں آسٹو بھر کر کہا تھا۔ ”اؤ ہر آسٹو جلو۔ بھ بھی تمہارا گھر ہے۔ ہں! میں بھی
بھیک مانگ کر گزر رہی ہوں۔ اس۔ د۔ مٹھس کی کھا پھوڑوں۔ صبت مانگ کر
جو پا لیا۔ اس سے دوپٹوں۔ قن کا کھانا۔ گھر میں اس وقت ایک مٹھی چاول بھی نہیں۔
یہ کہکر اندومتی کا مات پڑ کر مادھوری گھر کے آگئی۔ اندومتی نے دیکھا۔ مادھوری

کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو رہی ہیں۔ اس کی مدد سے نگاہ دیکھ کر اندوینی موہت ہو گئی۔ دل میں سوچنے لگی ایک دن نر بندر کے پیارے پیارے ننھے سے رشتہ تھا۔ زہر من زہر۔ پانی میں یانی اور آگ میں آگ ملتی ہے۔ یہ لاجمہ و شکہ۔ اور لاجمہ و دستا قہ ہے کہ اُس نے ان باتوں کا پورا پورا ہوت پالیا۔ - - - سوچے لگی۔ آج 'دھوری' کی اور مری اکب ہی حالت ہے اسی وجہ سے مادھوری کی آنکھیں اس قدر آنسوؤں سے لبریز ہیں۔ خواہش ہوئی۔ کہ اس کے قدروں میں اپنا سر رکھ دے ایسا ترن یا کر کون اپنے آپ کو ہمیں نیوچھا ور کر دیتا۔ اندوا استور جب اپنے آسے کو تار کر دیتا ہے۔ تو ہم تم کون ہیں؟

مادھوری اندویتی اور ستیل مالا دو کنگو گھر کے اندر لے گئی اور ٹھکایا۔ اندوینی حسراع کی رتوی میں مادھوری کا حس دل اور دیکھ کر ہر سوچے لگی۔ مادھوری کی ساحت گنتی مشہ دل ہے کیسی بے مثل ملاحظہ ہے۔ گویا توہ مانی کا چاند ہے جسم میں صیسی بے مثل نہ حت ہے۔ باتوں میں بھی دسی ہی تیرتی ہے۔ محبت کے تہد کا جہتا ہی ہے۔ مظاہر بولی ہیں اہم دو وول کہنا ہا جس کھا نیگی۔ تم نہ گھراؤ۔

مادھوری کے آسے میں دیر ہوئے دیکھ کر ٹھکایا مار مار کر رہی بھی۔ مادھوری اور اُس کے ماس گنتی اور فانی میں معلوم کیا کیا کہا؟ معلوم ہوا ہے۔ اندویتی کے تھہرے کے لئے مست و سائب کر کے بھرا اندویتی کے ماس گنتی۔

اندویتی و ستیل مالا دو وول ہانے کے لئے گھات پر آئیں۔ تمام وول ابھیں ہانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

چونیسواں باب

مادھوری ستیل واد کو گھات پر چھوڑ کر کانوں کے اندر گھسی رات بھر بیا ڈیڑھ پہر گزری تھی۔ چاند کی روشنی پر لطف بہا رکھا۔ ہی تھی۔ صفحہ کائنات موزوں کی صاف شفاف یاد بھی ہوئی تھی۔ راستہ میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ مادھوری بچو نی سے خلعے لگی ہر چہا طرف ایک عجیب و غریب دلکشی کا سماں جیسا باہو تھا دو بیڑے سے سر لھلک برگر

دل چاول لے کر مادھوری اُلٹے پاؤں گھر واپس آئی۔ گھر آ کر دیکھا کہ اندومتی ویشیل بالاکھا پر مٹی بھرا ہوا ہے۔ اودا پس بن بیٹھی ہوئی نہ معلوم کہا کہا باتیں کر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مادھوری جلد جلد کہا مایکاسے میں مصروف ہوئی۔ اندو ادریشیل بالاکو ذرا پتہ نہ لگا۔ گھاٹ سے آ کر انہوں نے مادھوری کو پکارا۔ مادھوری نے رسوئیں حارہ سے مسرت آ میر لہو میں کہا۔ بہن! تم گھر میں بیٹھو میں کھانا پکا رہی ہوں۔

مادھوری کا دل دریا نے مسرت میں غوطہ زن تھا۔ مادھوری کسوں پھولی نہیں مانی تھی۔ کون کہہ سکتا ہے؟ اتنی نکلف اور مہمیت پر بھی مادھوری کی خوشیوں کی انتہا نہیں گویا۔ کچھ اس کی تمام کھوٹی ہوئی طاقین از سر نو آگئیں بھیں۔ ویشیل بالاکے کہا۔ بہن! ہم لوگ کچھ نہیں کھا بیگی۔

مادھوری نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ بہن! کیوں نہ کھاؤ گی۔ میں جاواں دال لے آئی ہوں ضرور ہی کھانا پڑیگا۔

ویشیل بالاکے ذرا مسکرا کر کہا۔ نہ نہ کہی بھئی بھتیجی نہ آتا۔ کہ چاول۔ ال نہیں تھا۔ مادھوری شرمندہ ہوئی۔ اور ساری سے بولی بہن! اسوقت لانی ہوں۔

ویشیل کہاں پایا؟

مادھوری نے کہا۔ تم کیا کرو گی؟

اسوقت مادھوری جو لے لے کر لڑائی لگا کر اندومت کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ حقوڑی دہرنگ بیٹھنے کے بعد اندومتی کا مات کھا کر رسوئیں حارہ میں نے مٹی۔ بھانڑاں بولی۔ بہن! تمہیں بہت ہوک لگی ہے۔ اب دیر نہیں ہے۔

مادھوری نے جو لے لے میں پھر لڑائی لگائی۔ حارہ کیلے لگے اندومتی نے کہا۔ تمہیں مجھے جھوک منس لگی۔

مادھوری نے۔ نہیں کیوں بہن! اُمہ تو حشک۔ نظر آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے۔ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہی۔

اندو۔ شرم کیا؟ سچ مجھے مجھے بھوک نہیں۔

نے المصیبت اندوختی کا دل درد غم کی آگ سے جل رہا تھا۔ یہ اتنی بڑی مصیبت تھی۔ جو اس نے کبھی نہیں اٹھائی تھی۔ اس دکھ کی وجہ سے اسے بہت بھوک پیاس نہیں ستاتی تھی۔ جو بڑا کھانا تیار ہوا۔ سب نے کھا ماکھایا۔ کھاپی کر سونے چلیں۔ مادھوری نے اندوختی سے کہا۔ بہن! یہیں بیٹھیں یا یا؟
اندوختی مسکرائی۔ بولی۔ ہاں یا یا؟

”بہنیں یا یا؟“
اندوختی اور بھی مسکربولی۔ ”کیا یا؟“
مادھوری کے عضو عضو سے مسرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ بولی۔ ”تو تمہیں یا یا؟“
اندوختی نے بات مسکرا دھوری نے پار سے اس کی مشوڑی پکڑ لی۔ اور دونوں گھٹنے مل کر سو رہیں۔

عورتوں میں محبت باسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۶) پچھیسوال باب

داستان مصیبت

اندوختی مادھوری تمہائی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے آیس میں بات چیت کر رہی تھیں۔ اندوختی نے مادھوری سے کہا۔ بات ہی مجرت آمیز رہے کہنا۔ بہن! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔

مادھوری نے ہنس کر کہا۔ بہن! اگر کیا بات ہے؟
اندوختی۔ جو بات یو جھوٹکی۔ صاف صاف بتا دو گی نہ؟
مادھوری۔ بتا دو گی۔

اندوختی۔ کوئی بات چھپاؤ گی تو نہیں؟
مادھوری۔ نہیں!

اندو:- سچ!

ماڈھوری:- سچ!

اندو:- تم در در بات کو رو باکیوں کرتی ہو؟

ماڈھوری رات کو اندومتی کے قریب ہی سوتی تھی اور لیٹے لیٹے چپ چاپ آسٹوہیا کرتی تھی۔ اندومتی نے کئی عذریں نکال کر منواتر اسکا رونا سنا۔ اور سوچا تھا کہ ماڈھوری سے اس رونے کا سبب پوچھوں گی۔ لیکن ممکن ہے کہ ماڈھوری اپنے ولی حیالات کا اظہار کرے اس خیال سے وہ اتنے دنوں تک ہمیں دریافت کر سکی۔ اب ماڈھوری کو اکیلا پاکر اس سے پوچھا۔ اندومتی کی یہ بات سنکر بادلوں سے گھرے ہوئے چاند کی طرح ماڈھوری کا چہرہ ملن ہو گیا۔ تھیرا انداز سے بولی۔ کچھ نہیں۔ بہن!

اندومتی:- چھی مجھ سے چھپائی ہے۔

ماڈھوری شرنائی۔ کچھ سوچ کر بولی۔ ہنس میں بہت دکھی ہوں پتھر نکھو کا مادہ حساب نہیں اندومتی۔ دنگ رہ گئی دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ دُعا میں کیا مجھ سے بھی کوئی زیادہ دکھی ہے؟ بظاہر بولی۔ کیوں بہن؟

ماڈھوری نے پرا مضطراب میں کہا۔ توہرے علیٰ غور ت کو سکھ کیا ہے؟

اندومتی نے گھبراہٹ آمیز لہجہ میں پوچھا۔ کیوں؟ کیا تمہارا سوہرہ نہیں ہے؟

ماڈھوری نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور موسم برسات کے بادلوں کی طرح آنکھوں میں آسو پتھر کر کہا۔ نہیں!

اندو:- پھر نہیں دیکھ کیا ہے؟

ماڈھوری نے علین لہجہ میں کہا۔ کیا دکھ ہے؟ کہتے ہوئے سب سے شق ہوا تھا ہے۔

اندومتی نے بچھا، ماڈھوری کی آنکھوں میں آسو چھلک رہے ہیں بولی۔ بہن! تمہارے دکھ کی کہانی کیا سن سکتی ہوں؟ میں کیا تمہاری کوئی نہیں ہوں؟ ماڈھوری کی آنکھوں سے جھجھک آسو گرے گئے۔ جیسے زرد گلاب پرستیم کی ٹوندیں پڑتی ہیں۔ اور وہ ایک خاص رنگ اختیار کر رہے ہیں۔ اسی طرح ماڈھوری کے گالوں کا رنگ نظر آتا۔ ماڈھوری نے اتنے

دونوں تک ایسی محبت بھری آواز نہیں سنی تھی۔ دل اندھلچلنے لگا۔ بہتہ بہتہ بولی۔
میرے بڑے آدر کی چیز تھی۔ مگر اے! اگرچہ میری صحبت میں بڑکرا انہوں نے میری جانب سے
آنکھ بند کر لی تھی۔ تاہم وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ کیوں پیاری تھی؟ نہیں کہہ سکتی وہ
جب اوہرا دھڑکے گھوم پھر کر آتے تھے۔ ننان کی نظریں میری طرف ہی رہتی تھیں۔ میں اُل سحر
کا لنگھوں کی تاب نہ لا کر بیٹھ جھوٹاتی تھی۔ ان کی وہ محبت سے لہر نہ لگا رہی دل کے اندر
جستوں میں وہ چل پڑتا نہ کیوں اور اُس کی دھوم مچاتی تھیں۔ اور دل میں فرما سرت سے
ایک پُر لطف گڈ گڈی کا سا احساس ہوتا تھا۔ ہنر کی چیز چھوٹ پڑتی تھی۔ صرف پھیر ہی کہوں؟
تمام بدن میں جیسے بجلی کی سی لہر دوڑاتی تھی۔ ان کی بات حیات میں ایسی دلدار طافت مہر تھی
کہ سنکر دل میں ایک مجلس سی چل جاتی تھی۔ یہیم کی کشتی پریم کے اتھاہ ساگر میں ہی غوطے کھاتی
تھی۔ مگر میرے وہ شک کے دن جاتے۔ ہے اسوقت اب میری کال رازی ہے۔ دکھ کی شط
نہ آگ میں تمام جسم جل رہا ہے۔ انھوں نے جی بھر کر اچھی طرح مجھے وہ پیارا پیارا اہلی آہن
کھنڈا نہ دیکھنے دیا۔ اٹھانگی کو مصیبت کے سمندر میں چھوڑ کر لوک حاج کے خوف سے نہ معلوم
کہاں چلے گئے۔ کہ ابھیں پھیر نہ دیکھ سکی۔ مجھے چھوڑنے کے بعد اُس دن نے سوچا۔ اس زندگی
کا خاتمہ ہی کر دینا مناسب ہے۔ زندگی کا شک کیا ہے؟ لا تعداد دکھوں سے یہ زندگی بھر رہی ہے
جہاں حرص و ہوس کا انسان اسفند۔ دلدارہ ہو وہاں شک کہیں؟ حرص۔ ہوس سے قطع
قطعی شک ہے۔ جس اسی حرص و ہوس کہ آگ میں بڑ کر کیا رنگ ہی خاک سیاہ ہو گئی۔ شوہر کا
شک دیکھ کر اور بھی اُس کی بہار لوٹنے کی لالچ میں پڑی۔ شل مشہور ہے۔ ”آدھی جھوٹ لرا ایک
کو دھاوے۔ ایسا ڈوبے تھا نہ بادے۔“ میں اسوقت تیار ہی میں ہوں۔ زبردست

تیار ہی میں۔۔۔۔۔
اُسی دن۔۔۔ اُسی وقت۔۔۔ اُس شاہ کن گھڑی میں ناقابل برداشت آگ کی جلن نہ سہہ سکتے
پر مرنے لگی تھی۔ مگر جاتے وقت سوچا۔ کیوں مرنے لگی؟ دریا کے پانی میں جوار بھانا آنے سے کیا
پھر وہ کام کا نہیں۔ بتاؤ مجھ قدرتی قانون ہے۔ اس وقت اگرچہ جوار بھانے کا دور ہے پھر بھی
وہ دن آ سکتا ہے۔ کہ دریا کا پانی صاف شفاف ہو کر سکون پذیر ہوگا۔ بہن! موت کی انتہا تھی

زندگی کی آس رمتی ہے۔ انسان کا دل نہایت بچی پھل ہے۔ حالت بدلنے کیادیر لگتی ہے؟ اسی دلفریب و شوموسنی اہمیت کا منہ دیکھ کر اس زندگی کو رکھ چھوڑا۔ زندگی کو رکھا مگر اس کا شک ہے نہ رہ سکی۔ شامتی نہیں شک نہیں جسم و جان کو جلاتی ہوئی آگ دھو دھو کا نغمہ الاپ رہی ہائے! یہ آگ کیا کھسی نہ کھجیلی؟

اسی وقت اندوشتی نہ معلوم کیا کہنا چاہنی تھی۔ مگر مادھوری اندوشتی کے ان باتوں کی لبوں پر دانت دھر کر بولی۔ سنا تھا انسان مرنے کے بعد آسمان کا تارا ہوتا ہے۔ ایک دن اسی عقیدہ کے زیر اثر آکر رہنے لگی تھی مگر کیا مرسکی؟ اس پر مجھے یقین نہیں آیا۔ اگر مگر بھی نکتہ مزہ ہوئی۔ تب تو انہیں نہیں دیکھ سکو گئی۔ مرنے کے لئے گئی۔ اور پھر گھروٹ آئی۔ اور ستر پر لیٹ کر گھنٹوں رو رہی۔ روتے روتے دل کی طبع کی قدر کم ہوئی۔ دل مبتلا آتا۔ سہراہ مٹا شامتی کے لئے کہیں باہر کیوں جاتی ہوں! وہ تو گھر میں ہی ہے۔ جب روتے روتے دل کی طبع میں کی قدر کمی واقع ہوئی تو گھر سے کٹ کر کے خاندان میں داغ کیوں لگاؤں اور سنا تھا موت کی ریت مرنے سے انسان ما دل ہو کر ادھر ادھر ہو جاتا رہتا ہے۔ عرصہ تک جھجھکھروٹا رہتا ہے۔ بجلی کی چھری سے سینہ چیلک کر کے اس کی تمام آواز اپنے اندر بھر لیا ہے۔ بہن اس دن اس کچھ تنہائی میں بیٹھی ہوئی آسو بہا رہی تھی۔ رو رہے روتے ہر گھر کے چاہنے والے دیکھ، قہقہہ ہوا ایسا احساس ہوا کہ دکھ نہایت شک کی تے ہے آج کتنے دنوں بعد نہیں پا کر گم ہامیری نئی زندگی ہوئی ہے اب سب کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے بہن! اگر تم اس دن ہاں سے علی حاتہ۔ تو شاید میں بچتی میں ہی ایک دن منتول تھی۔ میرے بھی باغ بچے اور غلستان مکانات تھے۔ مگر ان کی بے پروائی اور نری صحت میں بڑے سے سب کچھ نہ مارا اب وہ سب دوسروں کی ملکیت میں ہے۔ اگر سب کچھ دینے پر بھی انہیں یہی دیکھ ہوں گے دوسروں کو رکھ سکتی۔ تو میرے شک کی حد نہ رہتی۔ دولت لے کر کیا کرے؟ آدمی سنا رہا۔ دولت خود دھوا آجاتی ہے۔ جس کی دولت تھی۔ اگر وہی ہمیں رکھ سکا۔ تو کون رکھ سکا؟ یہ کہتے کہتے مادھوری بچوں کی طرح پھوسا پھوٹ کر روئے گئی۔

اندوشتی، بشیل لے لے ایک دن اور نگہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر مادھوری نے کسی طرح

قبل نہیں کیا اندوختی مادھوری کو بہت پیار کرنے لگی تھی۔ فطرتِ بہت نے اس کی ماں پر نقل سکوت لگا دیا تھا۔ دل ہی دل میں وہ مادھوری کی بہت تعریف کرتی تھی۔ بظاہر سلی بیہوش لہجہ میں بولی۔ بہن! روتی کیوں ہو۔ رونے سے کیا فائدہ؟

مادھوری خاموش ہو گئی۔ مگر آنسوؤں سے ہوتے ہوئے سینہ تر بہت کر رہے تھے۔ آنسوؤں کی بات نہیں سن سکتے۔ خود ہی آتے ہیں۔ خود ہی گرتے ہیں۔ اور خود بخود بند ہو جاتے۔ اندوختی نے اپنے خیال سے مادھوری کے آنسو پونچھے جدا کر دیے۔ ہمارے ٹوہر کے کینے وچ نہیں چھوڑ رکھا ہے۔

مادھوری کے کلیجہ میں جیسے میٹھی اتر گئی۔ ماؤسانہ انداز سے بولی۔ تقریباً سچی۔ برے! اندوختی۔ اس چھ برس کے عرصہ میں کوئی خبر نہیں لی؟

مادھوری۔ نہیں!

اندوختی۔ ان کے پیچھے کوئی آدمی بھیجا تھا؟

مادھوری نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ کتنے ہی آدمی تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر بھیجے مگر کہیں کوئی پتہ نہ ملا۔ ہائے! ان کا چہرہ کیسا یارایار تھا! کیسی متوالی اور سیلی! آکھیں تھیں! باتیں کیسی میٹھی میٹھی بولتیں! کتنی تھیں! اچھا جانتا ہے کہیں ملے۔ لو اک ماری ہر کردیجھ لوں۔ یہ کہتے کہتے مادھوری نے قدم بڑھائے

اندوختی نے محض ہوا کو مادھوری کو پکڑ لیا۔ بولی۔ مادھوری! تو کیا یاگل سو گئی ہے؟

مادھوری شرمائی۔ اس کے چہرے پر ندامت کے آثار نمودار ہوئے۔

ستائیسواں باب

نیا جوگی

ایک دن مادھوری دہلیز میں بیٹھی ہوئی تھی اندوختی شیل والا پڑوس کی عورت اور نور لکھن آئیں، ہنسی بگلی کر رہی تھیں پڑوس کی عورتیں مادھورت سے ملنے آئی تھیں ان عورتوں میں سے کسی نے کہا۔ میرے لڑکے ساتھ تھام کر کے منا لہو کی ناکیتا کی

نسبت بات چیت طے ہوئی تھی مگر لڑکی کا سبھاؤ اچھا نہیں یہ شکر انہوں نے (شوہر سے مراد) اُکا کر دیا کسی نے کہا میرا لڑکا بی۔ اسے پاس ہے۔ کتنے ہی آدمی میرے گھر آئے ہیں۔ اور لوٹ جاتے ہیں۔ میں ذرا بھی خاطر نہیں لاتی، منہ پھٹکاٹے چپ چاپ بیٹھی رہتی ہوں۔ جو نقد دس ہزار۔ ڈھائی سو کی گھڑی چیں۔ اور پانچ سو انگوٹھی مٹوہیر دیگا۔ اُسی سے ہاں شادی کر دوں گی۔ کسی عورت نے آزدگی سے کہا۔ بھائی! مجھے تو کھڑی جین دینے پر بھی اچھا لڑکا نہیں ملتا کسی نے کہا۔ ایسا مارک رمانہ آبا ہے۔ کہ عرت بھی محال ہے۔ ٹھوڑے دنوں میں پرتھوی رسالہ کو پتہ چلے گی۔

پڑوس کی عورتیں اس میں اسی قسم کی بات چیت کر رہی تھیں۔ عین اسی وقت ایک جوگی ہاں آگیا۔ سب اس کی طرف دیکھ گئیں دیکھا کہ جوگی نہایت ہی خوب صورت ہے۔ وجہہ قد چہرہ یا بدن۔ بلند پیشانی زری ریشہ شراب معرفت سے سرشار۔ آنکھیں لمبی لمبی جٹائیں۔ فراح سینہ۔ جس میں گدما کش کی بالاپڑی تھی۔ باقی جسم برتسر کی کھال تھی تمام بدن میں بھبھوت ملی ہوئی تھی۔ ہاں۔ ہاں۔ سول سا۔ سوگی کو دیکھ کر سب کھڑی ہو گئیں۔ کئی ادھیر عورتوں نے مسکار کیا۔ ادھیری جیسی سے دوڑ کر ایک کش کا آسے آئی۔ جوگی کو دیکھنے کے لئے دیا۔ اور ہایت ہی ظہور محنت و عقیدت سے جوگی کے حزنوں میں پہ نام۔ جوگی نے ادھیری کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اچھا آسن پر بیٹھ گئے۔

انوقت مام عورتیں جوگی کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔ ذرا سی نہ جھجکیں۔ ایک ادھیر عورت نے پوچھا ہمارا ج میرا لڑکا حلد ہی واپس آئے گا یا کیا؟ اس عورت کی دیکھا دیکھی کالی تارے کہ سدا ہمارا ج امیری لڑکی کو میرا قان ہو گیا ہے؟ کیسے اچھی ہوگی؟ تو منجھنی نے پوچھا۔ ہمارا ج امیرا لڑکی بہن کے کیا ہوگا؟ سر مانے پوچھا ہمارا ج امیرا دیور کیا حلد گھر آئے گا؟ سر مانے کے پاس خط آیا تھا۔ کہ اس کا شوہر اور دیور دونوں کسماعت حلد ہی مکاں روانہ ہوں گے معلوم ہوتا ہے۔ سر مانے شوہر کو دیور کے ہمارے شوہر کے آئی کی مابت پوچھنا چاہتا تھا۔ ماما جی نے سوال کیا میرے لڑکے کو کون تکلیف تو نہیں ہو کی رہا یا مانے دریافت کیا۔ میری دیدی کے لڑکا نہیں ہے؟ تو کوئی دوا دے سکے؟ دوا کی مانت سکے بھامنی۔ دانی۔ کامنی۔ راسنی۔

راج منی۔ رام منی۔ کرشن مومنی۔ بلاسنی۔ موبھاشتی۔ سوہاسنی۔ اُما سندری۔ رُماندی
دونوں۔ ہر زانی۔ من زانی۔ دیکھو تمام عورتیں ایک ایک کر کے کوئی ٹرڈ کا ہونے کے لئے کوئی
بہن کے لئے کوئی شوہر کوئیں میں کرنے کے لئے دوا مانگنے لگیں۔ چنگی نے اب تک کسی کے
سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب دینے کا موقع بھی نہیں تھا کیونکہ لگاؤ کا سوال کرتی جا رہی
تھیں۔ مگر یادہ بازدار میں پہنچ گئی تھیں۔ کون کیا کہی ہے؟ جو کی بوجھ میں جان سکا۔
جو کی کو خاموش دیکھ کر عورتیں بھی خاموش ہو گئیں۔ شیل بالاسے موقع دیکھ کر پوچھا: جبار!
گنت جانتے ہیں؟

حوگی نے گر دن ہلاتے ہوئے کہا اہاں اجانتے ہیں۔ مجھ کو چھوگی کیا؟
 شعیل بالاکا بات کا جواب دیتے دیکھ کر عورتوں میں پھر شور مچ گیا۔ شعیل بالاکا نے رعبہ
 اپنی اسی بات کو چھنے کے لئے میناب نظر آئے لگیں۔ کسی نے آ پخل پکڑا کسی نے غات۔ (کسی
 نے جوڑا ہکڑ کر بلا شروع کیا۔ تیل ملاڑی مصیبت مس پڑی۔ بچہ سب دیکھ کر حوگی جی
 دل ہی دل میں منہ رہے تھے۔ بہت دیر بعد تیل بالانے سب کو ہنسنے لگی دیکھ کسی طرح
 شور و غل بند کیا۔ بعد ازاں حوگی کا امتحان چلے کے لئے مادھوری کو دیکھ کر کہا۔ مہاراجا
 اس کا نام کیا ہے؟

جیسے بیٹوں کہتا ہے۔ اسی طرح جوگی نے سگفتگی کا دکھا کر کہا ہے ”ماذھوری“
شیل بالا متحیر ہو گئی۔ مگر ماذھوری جوگی کی شگفتہ ہنسی دیکھ کر ان کے چہرے کی طرف آرزو مند
لگا ہوں سے دیکھتی رہی معلوم ہوتا ہے شیل بالائے بیٹہ سی نہیں دیکھی۔ جوگی کی ہنسی دیکھ کر
وہ دل میں کیا سوچتی؟ ایسے ایسے رہا ہیں۔

جوگی نے پھر کہا۔ اوصواری کی ساس مرگئی ہے۔ تقریباً ایک مہینہ ہوگا۔
 فی الحقیقت اوصواری کی ساس کو مرے ہوئے ایک مہینہ ہو چکا۔ جوگی کی بات سنکر تمام
 عورتیں متحیر ہو گئیں۔ سچی بات سنکر ان کا عقیدہ بچنے ہو گیا۔ اسوقت عورتیں آپس میں طرح
 طرح کی باتیں کرنے لگیں۔ شیش مالنے پھر کہا۔ ہمارے اوصواری کا شوہر زندہ ہے کیا
 شیش بالائے اوصواری کے تمام علامات اندونمی کی زبانی سنے تھے۔ جوگی نے کچھ دیر بعد

طرح اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ شیل بالاپاس سے بے چین ہو رہی تھی۔ درد انگیز دلچسپی میں بولی: "جان جاتی ہے۔ پانی"

تارا کانت جلدی جلدی دوڑ کر تالاب سے جگوتیں پانی لئے۔ اور آہستہ آہستہ نیل بالاکے منہ میں پانی ڈالنے لگے۔ اس وقت کسی قدر طبیعت سنبھلی۔ رفتہ رفتہ اس کی طبیعت ٹھکانے ہوئی۔ اس وقت تارا کانت نے مینا بانہ انداز سے پوچھا: "ستیل! یہاں؟"

ریج وغم میں ڈوبی ہوئی ستیل مالالے کہا: "امد متی کی تلاش میں آئی ہوں؟"

تارا کانت نے حیرت انگیز لہجہ میں کہا: "امد متی کی تلاش میں؟ کہاں؟" اس وقت شیل بالاکے منہ پر آہستہ آہستہ کہا: "شرع کیا۔ ہم دونوں جس گھر میں تھیں۔ آج کئی دن ہوئے"

اس گھر کی مادی مصوری کہیں چلی گئی۔ اس دن اسے ڈھونڈنے کیلئے گاؤں کئی تھی۔ پس اگر دیکھا گھر میں امدو متی بھی نہیں ہے۔ سوچا کہ شاید پاس ہی کسی گھر میں مادی مصوری کی تلاش میں گئی ہو۔ اسی مصوری درمیں آجائیں گی۔ مگر امدو متی نہ لائی۔ گاؤں واپس آنے میں

مجھے کچھ رات ہو گئی۔ آج چار بج دوں سے برابر تلاش کر رہی ہوں۔ کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امدو متی کا حسن دیکھ کر ممکن ہے۔ کوئی نریشاچ لئے لیگیا۔

یہ کہہ کر شیل مالالارونے لگی۔ تارا کانت بھی شیل بالاک کی بات سن کر امدو متی سے بے ڈھی اور متکثر ہوئے۔ سمجھ گئے۔ کہ امدو متی کی تلاش میں ہی شیل بالاکو طرح طرح کی عینیدار لٹائی

پڑی ہیں۔ اور یہ بات بھی سچی تھی۔ تارا کانت نے مادی مصوری کے متعلق پوچھا: "مالا مگر شیل بالاکے کہا پھر تاراؤں گی۔"

تارا کانت نے کچھ نہیں کہا۔ شیل بالاکو ساتھ لے کر اپنے رہنے کی جگہ چلے گئے۔

انٹیمیاں باب ۲۹

ایشیاریعت

سرو یو تو جا!! جا!! انبیت آئے یاہ آئے۔ اپنی آمد کی خبر دے یا نہ دے۔ کوئل کو دے یا د کوئل دے۔ دنیا ہنسنے یا نہ ہنسنے درختوں میں نئے پتے آئیں یا نہ آئیں۔ بستی پھیلے

باد کھلیں، اس وقت بھی سردی کا عکس گویا ہر شخص کے چہرے پر اچھا اقدار جائے ہوئے۔

پچاس کا ہیبہ تھا پہلا پچیس سال کا نامی کا نون کا راستہ ایک سر بھانگہ گھر کے نیچے سے ہو کر غار ایک دن دو پہر کے وقت اس گھر چلتے چلتے ایک جگہ اور ایک نازنین دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جوگی کے پیچھے پیچھے وہ نازنین تھیں۔ مگر جوگی بھول کر بھی اس نازنین کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے کہا اب بھی گھر لوٹ جاؤ۔

نازنین :- اب گھر نہیں جاؤں گی۔

جوگی :- نہیں جاؤں گی۔ کیوں؟

نازنین :- جانے کی جگہ کہاں؟

جوگی :- جس گھر میں تھی؟

نازنین :- میں نے پڑا خطار لہجہ میں کہا :- وہ گھر چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔

جوگی :- میرا ساتھ کیوں کیا؟ میرے ساتھ کہاں جاؤں گی؟

نازنین :- جہاں آئے۔ جائیگی؟

جوگی نے ٹھٹھکی لگا کر تجویز امیر ادا سے کہا :- ہائیں! تا تو یہی کیا میرے ساتھ جانے کی ہیں

جوگی ہوں۔ تم عورت ہو۔ تمہارا جو بن جوانی کا زمانہ ہے۔ جاتی ہو۔ اس عالم میں گھر سے نکلا

نا مناسب ہے۔

نازنین جوگی کی بات شکر صراط نہ کر سکی۔ اس سو بھی نہ رکے۔ ٹولی بہت دن ہوئے یہ حوس

آپ کے ہاں چر فوں میں اربن کر دیا۔ اس وقت دیا کر کے فوٹل کیجئے؟

نازنین کی آنکھوں سے ہنسنے کے یابی کی طرح آنسو بہے لگے۔

جوگی :- جیسا بھی ایہ کیا حالت

نازنین :- دل کی بات اسے تو ہر وہی کی بات؟

جوگی نے ہنسنے سے کہا :- میں تمہارا کون ہوں۔ بغیر جانے سب سے کیوں دوسرے کے مانوں

یہ ایسی بات دیتی ہو؟

تازین نے ایک گہرا سانس لے کر کہا: ”یہ کیا۔ غم گزشت کی بہو ہو۔ نہا زاشو ہر ہے چھی! تجھے کیوں تنہا کی نظروں سے دیکھتی ہو؟ اس کھلے منہ سے ”سستی دھرم“ میں کلنگ کلنگ اپنی درمادہ عصمت پرست عورت کے لئے دوسکمز پر نگاہ ڈالنا بھی پاپ ہے۔

یہ بات سکرانہ میں کا کلیجہ جیسے شق ہونے لگا۔ دھڑلہ میں کہا: ”دوسرا مزد میرے لئے پتھر سے بھی حقیر ہے۔ نہا سے جڑوں کی دھل سے آج میرا عورت کا جنم سچل ہو گا۔

جوگی نے نفرت آمیز لہجہ میں کہا: ”یہ تم کلنگنی ہو“

جوگی نے بھات صرف عورت کے امتحان کی خاطر کہی تھی۔ مگر جوگی کی مات سکرانہ میں کے مگر جیسے آسمان چٹ پڑا۔ طاقت گنتا رسلٹ ہو گئی۔ سر جکڑنے لگا۔ چاروں طرف ایلو سانا نگاہوں سے دیکھ کر گڑبڑی عیش لگ گیا۔ اس بڑے درخت کی جڑ سے سر میں بڑی چوٹ اُٹی حون کھنے لگا۔ درخت کی جڑ میں جھپٹا ہوا ایک زبردست اردو میٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس لیا۔ اور خود جنگل میں چھپ گیا۔ زبرد کے اترا اور گرمی سے۔ ان کی کا عالم طاری ہوا۔ تڑپنے لگی کالچن کی آواز سن کر جوگی نے تاریں کی طرف دیکھا۔ اور متیا بانہ انداز سے کہا: ”مادھوری! یہ کیا؟ مادھوری نے جوگی کے چہرہ کی طرف ایک ماریا سی نگاہوں سے دیکھا۔

”ہیں! کچھ نہیں۔ سر جکڑا رہا ہے۔ اسی وجہ سے سونا جا رہی ہوں“

مگر جوگی کو اس مات بھقن سے آیا۔ طہی سے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ اور ٹکٹی لگا کر مادھوری کی طرف دیکھنے لگا۔ دیکھا۔ مادھوری کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ اور تمام جسم کا رنگ سیاہ پڑتا جا رہا ہے جوگی کا استقلال اٹتا رہا۔ مادھوری! پیاری مادھوری! بتا! ایسا کیوں کر رہی ہے؟

مادھوری خاموش تھی۔ مگر آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ رہ رہ کر جوگی کے چہرے پر ایسی درد مند نگاہیں ڈالنے لگی۔

یہ جوگی مادھوری کا تنہا تھا۔ پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔ کہ مادھوری کا شوہر بڑی صحبت میں بڑے موردی جائداد کا حانتہ کر کے دیس تیاگ گیا تھا۔ اتنے دنوں تک کہاں رہا؟ کسی کو چیلن ملوگم۔ ہم نے اس دن چھ برس بعد مادھوری کے آ میں اسے جوگی کے بھیس

میں دیکھا تھا۔ مادھوری بھی شوہر کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ شوہر کو لے کر پھر گڑبستی کا شکار بنو گوں گی۔ مگر جوگی کی بات شکر۔ جوگی کی مدد تو جی دیکھ کر اٹھوٹیل بالا کو باتیں کرتے چھوڑ کر راستہ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سوچا اگر سوامی کھر میں نذر پہنچے تو میں دنیا میں رہ کر کیا کرؤں گی؟ شوہر کے ساتھ ساتھ ہی جاؤں گی۔ مادھوری کا شوہر دنیا کی موہ مایا چھوڑ کر یوگ ابھیا س کر رہا تھا۔ صرف گورو کے حکم سے ایک بار مادھوری کو دیکھنے کی عرصہ سے آیا تھا۔ وہ دنیا کو چھوڑ چکا تھا۔ اسی وجہ سے اندر متیل بالا کے زور پر مدد تو یہی کا اٹھا رہا تھا۔ جب جوگی جلا جا رہا تھا۔ اس وقت مادھوری بھی تھکے پیچھے آ رہی تھی۔ مادھوری اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر سوچنے لگی۔ "تم! آگئے۔ اچھا کیا۔ اپنے دونوں بعد اس اچھا گئی پر بٹھاری نظر پڑی یہی بہت کچھ ہے۔ تم میرے قدرتی خیر خواہ ہو موقع مناسب پر آئے سبڑا افسانہ کیا۔ جب آئے ہی ہو تو ایک کام اور کرنا۔" مہربانی مرقی ہوں۔ میں اپنے شوہر کے قدموں میں بیڑی ہوں۔ یہاں سے اور کہیں نہیں لیجاؤں۔ تم! منجھائے یا توں بڑی جوں بھائی کا بیوی بڑھ رکھنا۔ میں بہت دنوں بعد۔ آک جیروں میے! کچھ دیر تک مجھے ایسا سر رکھنے دو۔ اور ظراوت حاصل کرے دو۔ میرے سم میں زبردست آگ مشتعل ہے۔

اس وقت مادھوری کی سانس کی رفتار تیز پڑ گئی۔ جسم ہستہ آہستہ شل ہونے لگا۔ آنکھیں پھر آگئیں۔ جوگی نے رقت اتران میں کہا۔ "مادھوری! کیا آخر۔"

جوگی کا جوں ٹوٹ گیا۔ آنکھوں سے جھناکی دھار رواں ہوئی۔ مادھوری سوامی کی آنکھوں میں آسو دیکھ کر رونے لگی۔ اس وقت اس کا گلا۔ دندھ گیا تھا۔ صرف ٹکٹکی لنگے جوگی کو دیکھنے لگی۔ مادھوری نے پھٹے ہوئے گلے سے بڑی مشکل سے کہا۔ "ناخ جانے کا وقت آ گیا۔ اور نہیں بھر سکتی۔"

مادھوری اور کچھ نہیں کہہ سکی۔ جوگی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے زانو پر سر رکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے سو گئی۔



ناتھ! جالی ہوں۔ آخری وقتہ آگیا۔ زیادہ نہیں بکیر سکتی +

تیسواں باب

مایا کا روگ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اسی مرض سے کیا یاب پیدا ہوتا ہے؟ اسی مرض میں مگر فتنہ ہو کر سب دن رات روتے چلائے رہتے ہیں۔ طرح طرح کے ڈکھ بھوگتے ہیں۔ مشابہتی نہیں شکھ نہیں۔ جوتی نہیں صرف غم و الم و فتنہ کمال سے گھیرے رہتے ہیں۔ جب نہ تب ہمیشہ مصیبت کے بادل۔ ہوسمیان ول پر منڈلایا کرتے ہیں۔ اسی حکم رتھو لیس میں تمام عمر گزر جاتی ہے۔ اندومنی کی شادی کے پہلے سو چاٹھا۔ اس کوئی حال باقی نہیں رہیگا بغیر کسی قسم کی رکاوٹ اور رخصت اندازی کے پر مار تھ کی کمائی کروں گا مگر اے وہ افسدوں کا خیالی جلعہ مسما ہو گیا۔ دُبا کا بے مصروف مایا کا بندھن شکست نہ ہو۔ راکشی مایا سے میرے شکھ کے راستہ میں کھٹا۔ بچھا دیا۔ وہ پیارا پیارا کھڑا دیکھنے کی خاطر ابھی دل بے چین ہو رہا ہے کسی طرح ان آنکھوں کو وہ بیاری شکل نہیں دکھائی دیتی۔ دل اب بھی مٹیاب ہے۔ اُت اکیسے مایا مال میں بھینس گیا۔ مایا کا تختہ دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر انجام نہایت ہی دردناک ہے۔ پہلے کیا خبر تھی۔ کہ وہ مکھڑا دیکھ کر اس طرح دائم دیر میں بھینس جاؤں گا۔

میرے تین یں گئے۔ چوتھین آنا۔ امروز فردا میں جم کا دیو اگر ہتھکڑی لگا بیگا۔ کال کی ہتھکڑیاں نہا بہ ہی سکیں۔ ہائے! اسوقت بھی میری میند میں ٹوٹی اسوقت بھی میں مایا کی شعلے میں خوبصورت پھل دیکھ کر ارحورہ نہ ہو رہا ہوں۔ یہ پھل مجھے کیا فائدہ دیکھا۔ دن دن اپنی حڑ میں آپ ہی کھپاڑی مار رہا ہوں۔ ہائے! پھر وہی خیالات دل میں اُٹھ شروع ہوئے۔ اندو۔ شیل تم کہاں ہو جان جاتی ہے۔ تمہیں نہ دیکھنے سے مری جان جاتی ہے۔ لوک پر لوک دونوں جاتے ہیں۔ ہائے۔ دونوں کل چلے جائیگے تب کہاں کھڑا ہوں گا۔ اندو شیل! آؤ تم میری ایک کل کی دلھنشا کرو۔ آؤ۔ اس بدھنسیب کی خستہ حالت دیکھ باؤ نہیں آؤ گی؟ ہنس سہو گی۔ بات بھی نہیں کرو گی؟ میں نے تمہارا لے سگالی ایسی دلیوں کو پیار سے سناں۔ کھسمیں

کیا بگاڑا ہوا ہوتا؟ اندو امر کا تصور ہے؟ جاتے وقت مجھ سے کیوں نہ ہٹتی؟ اگر کہی۔ تو میں بھی تیرا ساتھ دیتا۔ تمہارے دکھ سے مجھے بھی دکھ ہے۔ شیل! عزیز فہم بھی۔ تم نے کیوں ایسا کیا؟ تمہیں مناسب تھا۔ کہ اس بد بخت کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی ہائے اس وقت تم کہاں ہو؟ یہ بد نصیب درخت کی پڑ پر بیٹھا ہوا کس قدر دکھ! پریشانیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ کیا نہیں دیکھو گی۔ ماں ہو کر بچے کا دکھ کا احساس نہیں ہوتا؟

پاپ کتا خونگ ہے! آفات و مصائب کا خوفناک سمندر۔ سیاپ کو چالین اگنا ہیں۔ یہ قول! تو نے کیوں اندو متی کے شکہ کے راستے میں اپنا سر جھوٹا؟ انو نے تیرے نزدیک کیا تصور کیا تھا؟ میری اندو۔ سلاگی کی مجسم تصویر تھی۔ دھرم کی مٹی... اُس دھرم کی دھجکا تو نے کیوں قلع فتح کیا۔ اس سے کہا تیرا اھلا ہوا۔ جھگوان ہزرہ اگر گئے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالے سے لیا ہو گا یہ سیو رلی آنھول میں بھا دھول ڈال سکے گا۔ ہائے! اُس جنگ و جدل میں میں کیوں نہ مار گیا۔ اگر مر جاتا۔ تو یہ وہ کون بھوگ کرتا۔ ہلکے تو دہوتا تھے۔ سورگ گئے۔ اس پانی کو آخری وقت میں کہا اسی لئے چھوڑ گئے تھے! اُٹ! بہت ہو چکا۔ اب ہمیں رواشت کر سکتا۔ رام بھدر ایک سر بھنگ درخت کی پڑ چھوٹا ہوگا اسی عور و فکر میں غوطے کھا رہا تھا۔

جسدن اندو متی و تبیل بالا لے گھر جھوٹا تھا۔ اسی دن رام بھدر بھی ان کی تلاش میں ماہر کل گیا تھا۔ مختلف گاؤں اور ٹکلوں کا چکر لگاتا رہا۔ مگر کہیں بھی اندو متی کا پتہ نہ چلا۔ اسی وجہ سے ماہوس ہو کر درخت کے نیچے بیٹھا ہوا انکار دالام کے بھر بکراں میں غوطہ زن تھا

اکتیسواں باب (۳۱)

ندی کی گود میں

آسمان کی سیلوں بھاٹ پر ستارے چر پڑ کھیل رہے تھے۔ چاندان کے د میاں فانوس کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اُس نور سے منور ہو کر تمام دنیا جیسے سہریں ہی تھی۔ نای کا پانی صدائے شفات باطن کی طرح حتم حقیقت سے سرشار ہو رہا تھا۔ معطر و معتبر ہواؤں

کے جھکولوں سے ندی کا پانی تھوڑا سا چھڑا چلا گیا۔ چاند کی چلی ریز شعلیں، اس صاف شفاف پانی میں ایک دلفریب رقص کا نظارہ دکھا رہی تھیں۔ سرور اور وحدت میں اگر ندی جیسے مستی سے بھی جا رہی تھی۔

ندی کے کنارے ایک جھوٹی سی کشتی کھوٹے سے بندھی تھی۔ ملاح وغیرہ کشتی باندھ کر اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق کنارے آگئے تھے۔ کشتی پر صرف دو مسافر تھے۔ ایک نوجوان اور ایک نوجوان لڑکی نوجوان ملاحوں کے آگے میں دیر ہوتے دیکھ کر کشتی کی چھت پر چڑھ گیا۔ دیکھا رات تمام زیورات سے ملیں تھیں۔ وہ اس جیسے آمد ہی آمد بھرا ہوا تھا۔ ندی کا پانی لہریں لے رہا تھا۔ دیکھ کر نوجوان کے دل میں سرور و انبساط کا حور آگیا۔ بہت آہستہ آہستہ کشتی کھول دی۔ نوجوان کو کسی قدر صدمہ ہوا۔ اس میں بھی دخل تھا۔ وہ چھوٹی سی کشتی ہوا کے طرب چیز جھوکوں سے کھڑی ہوئی۔ دلفریب رقص کا نظارہ دکھانے لگی۔ کشتی کو پانی کی روانی پر چھوڑ کر نوجوان جو دیکھ کر چھت پر بیٹھ گیا۔ ملاحی میں جیسے چھوٹے جہاز اٹھ رہے تھے۔ کشتی میں چھوٹے چھوٹے سوار تھے۔ جہاز کی ریفٹا کر رہے۔ اسی راستے سے کسی کے چہرے ریز رہی تھیں۔ چاند کا اسی وجہ سے بہت خوش تھا۔ سکھی کھانے کے لئے کشتی ہی کو متنبہ کریں۔ اور کسی ہی مت و ساحت کی۔ مگر وہ نہ بیدار ہوئی۔

چاند نے ایک نر تر سکھی کے بالوں میں الجھ کر اسے بگاڑا چلا۔ کان کے درجہ دل تک پہنچ گیا۔ بگاڑا سکھی نہیں مانگی۔ چاند بگاڑا سکھی نے بازی حیل لی۔

نوجوان پہنچے آیا۔ چاند کو بہ حرکات دیکھی۔ ہلکلی لگا کر اس پر اپا کر کہ دیکھنے لگا۔ چھت پر جانا بھول گیا۔ اس کے دل پر نہ معلوم کیا خیال آیا۔ جس کھول کر بائسری لگا لی اور چھت پر آگیا۔ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہی تھا ہے اور وہی بیٹی جیسا کہ پھر وہی دلا دینا ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ بیٹی کی دلہن آوارہ شکر جن کی لہریں متوجہ میں آجاتی ہیں اگر منی میں ایسا کیا وصف تھا۔ کہ جہنا پھر کر دیکھنی معنی۔

یہ سچ کر نوجوان نے بائسری کو چوم پانا وہی غم سے چھوٹی نہ سمائی۔ تھوڑی دیر تک بائسری کی دلہن کے لئے تمام عام پر اپنا قسط جا بجا مدخوش کے ہتے تال دے دیکر اچھے ہوئے نظر آئے۔

لگے۔ ہواستی سے جھونٹنے لگی۔ بڑی پُرفضارات تھی۔
اسے میں یکایک شیل بالہ آگئی۔ اور بولی۔ چھی چھی اٹم بڑے بیدرد ہو۔ میری نیند میں کیوں
محل ہوئے۔

نوجوان :- قصور کیا۔ سزا دو۔

نوجوان تمارا کانت تھا۔

اس حلال کے کنارے کے واقع کے روز اندرونی کو تلاش کر رہے تھے۔ گاؤں کے گاؤں
چھان مارے سکران کی مراد نہ برائی سمجھتے نکان اور متواتر جانفشانیوں کی وجہ سے یکایک
تمارا کانت کو ایک دن روز کا ہمارا آگیا۔ وہ اور نہ چل سکے۔ مجبور ہو کر انہوں نے اس گاؤں
میں قیام کیا۔ حراکتی کھڑی ہوئی تھی شیل بالہ کی تیارداری اور خدمتوں سے دو تین
دن میں ہی انھیں صحت حاصل ہوئی۔ وہ کستی پر سوار ہو کر اندرونی کی تلاش کر رہے تھے
میسے لوہے مقناطیس کی طرف کھینچتا ہے اسی طرح کئی دغوں کی کوششوں کے بعد تمارا کانت
شیل بالہ کا دل محنت کی سیل کی طرح ایک دوسرے سے پٹ گیا۔

شیل بالہ نے تمارا کانت کے مات سے بالٹری لے لی اور کہا۔ یہ دیکھو تمہیں اب
سانپ بنا دیا ہے۔ جس کی مٹی نہیں۔

تمارا کانت ہسکر بولے۔۔۔ پارس ہی نے آج میری جی کو ہات لگا۔ بائس کی بنسی سٹنے
کی بنسی ہو گئی۔

شیل بالہ :- ایک مار سونے کو کسوٹی پر رکھ کر دیکھو۔ تہا سے یاس کسوٹی والا
پتھر ہے۔

تمارا کانت نے پھر شیل بالہ کے ہات سے بنسی لے لی اور دو تین مرتبہ ہونٹوں کے
پاس لے گئے۔ مگر آٹا بائسری ہنس اب، وہ فتنہ نہیں نکلا۔ اس وقت شیل بالہ نے ہنسکر
نہا بھیجی تھی اہا سٹنے۔

ماسری چھوڑ کر تمارا کانت اس وقت شیل بالہ سے مذاق کرے گئے۔ شیل بالہ
کو بائی سٹا کر لے گئے انہوں نے دھکرایا۔ اور پھر کھینچ لیا۔ شیل بالہ بھی تمارا کانت

کودر سے بیکڑ لیا۔ اس وجہ سے تیل پانی میں نہیں گری۔

اسوقت تارا کانت نے دیکھا کشتی پانی کی رو میں بہت دور نکل گئی ہے جلدی جلدی ڈانڈ چلاتے ہوئے کنارے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ناکامیاب رہے۔ یہ دیکھ کر تیل بالانے ہستے ہستے کہا۔ ملاج جہا سے! میں ڈانڈ چلاؤ مگر تارا کانت نے ہستے ہوئے کہا۔ ملاج کی سبوی ڈانڈ ہمیں چلا ماہوگا۔ صرف بال کو کھینچ لو۔ ایسا کر سکوگی؟ کشتی کا ستون اٹھا ہوا تھا۔ اور اب بال بھی پڑا تھا۔ کپڑاں ستون سے ٹھٹھکی رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر شیل بالانے کہا۔ خوف نہیں اگر جہا رانی نہیں معلوم ہو ملاجی کیسے کرنی ہوں۔

شیل بالانے مائجی کو پال اٹھا کر دکھا دیا۔ تیر کسی دقت و تکلیف کے ناکامیاب ہوئی۔ اس وقت کوشش متی باد موافق کے جھکولے کھاتی ہوئی کاغذ الاپتی ہوئی چلنے لگی تارا کانت نے کسی کی ردائی دیکھ کر کہا۔ مجھے اس قسم کا ایک ہوشیار ملاج رکھنا پڑے گا۔ تاکہ اندھیری دھوئان کے مون پر بھی کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔

شیل بالانے سرب امیر لوجی میں کہا۔ سے رگن ماضی کے ماس اچھا ملاج کیوں آئے گا اس جوانی بچوں وہ صرف رانوں کے دوش سے

تارا کانت نے ہستے ہوئے کہا۔ سخواہ ربادہ دینے پر بہت سے آٹکے۔ تہارے پرافوں کا دوست کیا اس سے بھی ربادہ ہے؟

شیل بالاد۔ ربادہ دوست سمجھ کر ہی تو آئی ہوں۔ صرف سخواہ کے لئے نہیں آؤں گی تارا کانت۔ کیوں نہ آؤں گی؟

شیل بالانے ہنس کر کہا۔ رگن مائجی کے ساتھ رہ کر کوں ایسی جان دے آئیگا۔ سب کوچہ انجی جان کا خوف رہنا ہے۔ مائجی تو آدھی پانی میں کر رہے تھے ہی ہیں۔ پھر اس کی یور کیو کچر ہوگی۔

تارا کانت نے مسخر مزاح میں کہا۔ اگر کسی کو اپنی جان کا خوف نہیں ہے۔ تو وہ سرب میری شیل بالاکر۔

دم کے دم میں کشتی موقع پر پہنچ گئی تارا کانت شیل بالاکر کا بھی غامض ہوا۔

بیتسواں باب

دہی دو شخص

اندھ پور کے بابری جھٹے میں ایک بہت بڑا ہتیناک جنگل تھا۔ اسی جنگل کے اندر دیوار کا ایک سرہنگ درخت تھا۔ اس کی شاخیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ اس کے سایہ میں راہروں کو بہت آرام ملتا تھا۔ وہ درخت اس قدر گنجان تھا کہ کوئے بھی چھپ جاتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا۔ اسی درخت کے نیچے ایک نازمین بیٹھی ہوئی تھی جس پر سوائے بڑیوں کے گوشت کا نام و نشان نہیں تھا۔ محلے میں جوتوں کا بار بڑا ہوا تھا۔ سر جھکائے میٹھی آٹو بہا رہی تھی۔ اور فی مئی زندگی کے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ سوئی تھی ربر دست بندھن ہے۔ کھول نہیں سکتی۔ مگر آزادی کے لئے ہات پاؤں مار رہی تھی۔ اس حد و جہد میں جوڑیاں کھک رہی تھیں۔ وہ آواز درختوں کے پتہ پتہ سے مل کر بھر آواز ماز گشت کی صورت میں گونج اٹھتی تھی۔ ایک ایک کسی نے تسخیر آمیز انداز سے یہ شعر پڑھا۔

مرد بولے زبر گردوں گر کوئی میری تو ہے یہ گنبد کی صدا اسی کہے جیسی تھے

ایک ایک بھڑ آواز سن کر عورت جو کہ اٹھی اور چاروں طرف خیر اندہ نگاہوں سے دیکھنے لگی دیکھا ایک شخص شاخ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاؤں نیچے ٹلک رہے ہیں۔ اس کی کرخت لگا ہیں اسی عورت کی جانب تھیں۔ ذرا دیر بعد اس نے درخت سے ایک ٹہری توڑ کر پیچے گرائی اور پھر کچے کہنے لگا۔

عورت نے آواز پہچان لی۔ یکا را اگر اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف پتوں کی آڑ میں چھپا ہوا زور سے شاخیں ہلاتا رہا۔ بیچ بیچ میں طعنے بھی کرتا جاتا تھا عورت بہت دیر تک یہ طعن آمیز الفاظ سنتی رہی بعد ازاں بولی۔ یہ تو قول اب زیادہ نہ کہو۔ ہتھاری یہ تسخیر آمیز گفتگو اس وقت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

یہ عورت گور مٹی مٹی گور مٹی رائے ہماٹے کو مصیبت میں ڈال کر خود ایسے مایک پر انشجیت کر رہی تھی۔ رائے ہماٹے نے ہی اس کی یہ گت نہائی تھی۔ اور گانوں سے باہر

نکلو دیا تھا۔ جو دیکھتا تھا۔ تالیاں بجاتا تھا۔ اور فقرے جست کرتا تھا۔ یہ سب برداشت نہ کر سکتے پر وہ اس جنگل میں چلی آئی تھی۔ اُسے یہیں معلوم تھا۔ کہ پرتول اسی جنگل میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ گورمشی نے چھپ چھپ کر ہر حید پرتول کی تلاش کی تھی۔ شاید اہل لب زندگی میں اُس سے ملاقات نہیں ہوگی۔ اس میں بھی اُسے شک نہیں تھا۔ اُس نے سوچا تھا۔ کہ پرتول سے ملاقات ہونے پر اُسے ساتھ لے کر ہمیشہ کے لئے آند پور گاؤں چھوڑ کر کسی دور دیس میں چلی جاؤں گی۔ مگر گورمشی کی یہ خواہش توری نہیں ہوئی۔ اگرچہ کل میں آج ملاقات بھی ہوئی۔ تاہم پرتول نے آکھ اٹھا کہ اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی باتیں سن کر غصہ من آگیا۔ گزشتہ لمحہ میں کہا تھا۔ بایں یہاں سے دُور ہو۔

پرتول بھی رنے جھانسنے کے خوف سے یہاں آچھٹا تھا۔ گورمشی کی حالت دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اُسے خوف تھا۔ کہ کہیں وہ اُسے بھی نہ گرفتار کرادے۔ یہ پرتول کی غام خیالی تھی۔ گورمشی کی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی۔

پرتول کی یہ باتیں سن کر گورمشی کے دل میں جیسے آگ لگ گئی۔ شرر بارنگا ہوں نے دیکھ کر۔ پرتول! میں پائی ہی ہوں۔ مگر تیری طرح محسن کش تاج نہیں۔

پرتول کا غصہ اب بھی تیز ہوا۔ وہ بھی سگلتی ہوئی آگ کی طرح بھسک اٹھا۔ لولا۔ عین آج تیرے نصیب میں کچھ۔ افرط غضب سے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ ہونٹ تھراتے لگے۔

گورمشی اس وقت جھٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح چپکا کر بولی۔ کمٹ امیرے نصیب نہیں نہیں۔ تیرے نصیب میں!!

غصہ میں بھرے ہوئے پرتول نے ایک شجاع نوڈ کر رور سے گورمشی کے سر پر مار دیا۔ گورمشی اُس جھٹ کی تاب نہ لاسکی۔ اُس کے دل میں وہ پُرانا عہد تازہ ہو گیا۔ داسپتی ہوئی شرر بارنگا میں بولی۔ خیر دار معلوم ہوا ہے تیرا آخری وقت آگیا۔

کہہ کر وہ پھر غصہ ناک لگا ہوں سے ش کی طرف دیکھنے لگی۔ پرتول نے پھر ڈال مٹانے ہوئے ہتھکڑیاں لہجہ میں کہا۔ سچ ہے۔ جہم چلی۔ سچ ہے۔

جسے ہی اس نے دھات کسی۔ ویسے ہی تاج پھٹ گئی۔ اور برتول رہیں پر آگلا گورمتی سانسے آئی دیکھا۔ ایک شاخ پر تول کا سینہ بھید کر خون کا فوارہ بہا رہی ہے۔ بات پاؤں کی ہدیاں ٹٹ کر باہر آگئی تھیں۔ ایک آنکھ بیٹھوٹ گئی تھی۔ جان نکلے میں غصوڑی دیر تھی۔

اسی وقت گورمتی فوج۔ وغریب ہنسی منسنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے جنگاریاں سر سے لگیں۔ زور سے پر تول کے سینہ پر لات ماری۔ بعد ازاں کڑکتی ہوئی آواز میں بولی، جلمو جو دیکھ! گورمتی کی پر تگیا دیکھ!!

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے پاؤں سے اس کا سب دما لے گئی۔ راکھنسی گورمتی ابھی کیا پر تگیا بلن ہے۔

جان ملب پر تول نے جیسی آواز سے کہا۔ میں جہاں ہوں۔ مجھے اپنے باپ کا سہل دل دینا چاہیے کہتے پر تول کی پانی روح پانی جسم کو چھوڑ کر کسی نامعلوم دیں کو چلی گئی۔ کھنسی گورمتی اسی دفت ہنسنے ہنسنے جنگل کے اندر داخل ہوئی۔

تنبیہ سوال باب

دیکھ کھیل ہیں؟ مانی میں ٹیلہ اٹھتے ہیں۔ پیدل ہنسنے حساب اٹھنا۔ اور ٹھوٹتا ہے۔ پھول ہنسنے۔ اور مڑھجا کر خاک میں ملتا ہے۔ کچھ عجب سا ہے۔ بوجھ میں نہیں آتا جو سمجھ سکتا ہے۔ وہ ایسے اس لیلے سسار میں زندگی کی آہوٹی دیتا ہے۔ ہمارا جال ہے۔ اس کھیل سے بے شمار تکالیف ہیں۔ ہر شخص بوجھ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے اس کھیل میں لچپی لینا پسند نہیں کرتے۔ یہ سب کیا سوچ رہے ہیں۔ اپنی بات نہیں سمجھتا بیکار کر رہے ہیں؟ خیر! اپنی بات ہی غور و فکر کر رہے

کہاں آگے دکھا سے کہا ہو گیا؟ پاؤں طارح انکل چانکل! مگر اس حالت میں بہت بچہ لو ڈوبا کے ڈھکے ڈھکے۔ راج و عم۔ بڑا نکلا۔ عرض کسی کی حیرت میں کسی سے واسطہ نہیں انسانی زندگی کی حقیقت سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اس لوک سے جیسے میرا کوئی تعلق ہی نہیں باقی کی

ہر شور و آواز میں ہستی ہوئی کٹھڑی کی طرح اندھنی کا خیال نہ لگی کہ آئے اس میں بھول کر طرح بہا جا رہا ہو وہ کسی
 زمین کی آواز ہو اور کسی کی؟ ہمیں یہ نہیں کیا فرق جو یہ نہیں کہہ سکتا اس میں میں کی غیرتیں ملتی تھیں گئیں
 — پر انیکاری جہانماتے دبا کے جذبہ سے متاثر ہو کر مجھے نہ لیا۔ جب ڈوب گیا تھا۔ تو پھر کیوں
 نکال لیا؟ بیایا تھا۔ تو پھر سے چاہتا ہوں اُسے کیوں نہیں پاتا؟ اس بچانے سے فائدہ کیا؟
 زندگی تو صرف دلی، مگر شہابی اور سکھ کیوں نہیں ملا۔ سرخ و سبز کی آگ میں جل رہا ہوں۔ اس وقت
 کی آگ بجھ چکی آگ سے تھی زیادہ تیز تر اور مستعمل معلوم ہوتی ہے۔ اندھنی کی تلاش میں مجھ
 تک نہ گم رہا۔ اس وقت تک کسی قسم کے ڈکھ درد کا احساس نہیں ہوا۔ اندھنی نے میرے
 دل پر اپنی طرح ایسا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اور یہ دل اُس کی سلطنت کا تحت بن گیا تھا۔
 پائے آج وہ سلطنت کہاں گئی؟ اور وہ راجہ کہاں گیا؟ سرخ و سبز اور سور و شر کے دریائے
 سیکر ان کی لہروں کی نہیں بہتا عار ہا ہوں۔ دیکھو وہی سیلوں آسمان ہے۔ وہی صاف شفاف
 سورج چاند ہے اور وہی اُس کی تھرکتی ہوئی روشنی! وہی کوئل کی دلدور کوکب اجساکے ہواؤ
 میں مری پر سرور نغمہ نکل رہا ہے۔ سب کی حالت یکساں ہے۔ مگر میرا کچھ نہیں ہے۔ اس فرما
 میں جس کا پتہ نہیں ہے اس کے دل میں کس قدر سور ہو گا۔ اُس کی تکالیف کا ارادہ کون
 لگا سکتا ہے ایک تنفس کی مدد موجودگی سے زندگی کے تمام سرے کر کرے ہو رہے ہیں۔
 محال تھا۔ کہ میرا شکہ کا سہم در صاف شفاف اور ٹھنڈے پانی سے لبر ہے۔ تکی سے
 جاں لیب ہو کر اُس میں نایس نہ تھا۔ کے لئے گیا۔ مگر ناکام واپس آیا۔ دیکھا کہ سہم
 کے سینے میں زبردست آگ سمیٹا ہے۔ سیم واپس سے دل دھڑک اٹھا۔ پانی کی دھڑک
 چلی جب انجی آتھگی رنج۔ کر سکا۔ تو میرے زندہ بچے سے کتنا فائدہ کیا اُس کی بھی جو ہے
 حتیٰ کہ میں اس طرح کڑوا ہوں۔ سو رنج و غم برداشت نہیں کر سکتا اُسے کروا پلا
 میں ڈالنے سے کہا فائدہ؟ معلوم کس پچھلے کرم کے صل سے یہ حقیر دل آج چٹا کی آگ
 میں جل رہا ہے۔

ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے زبیر ناٹھ اسی قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھے۔
 خیر! زبیر ناٹھ تھوڑی دیر بعد دُڑ سے اُٹھ کر دم بھر کے لئے بھی کہیں آرام نہیں ملا۔

چلتے ہی سکے۔ کچھ دیر بعد انھیں اسما معلوم ہونے لگا جیسے اندومتی انھیں ابھی بلوائے گی۔ اسی خیال سے طردی جلدی چلتے گئے۔ راستہ کی تکالیف اور مشکلات کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ خدا دے چلنے پر ایک گاؤں نظر آیا۔ اس سے دھو دھو کا نعمت خانی دیا۔ اور ایک سنسان بن ودق بہمن میں بھی کھس میں سے بھی آواز آرہی تھی۔ اسے ملنے پر جیسے اندومتی انھیں بلوائے گی اسے سینہ سے لگا کر ہی اکی بت تکالیف کا فائدہ ہوا۔ عرصہ دراز کے فوکہ کے بعد کھکھ نصیب ہوگا۔ اس قسم کے خیالات میں غوطہ لگاتے پڑے وہ کتنی ہی دور پہنچ گئے۔ کتے میدان اور جنگل چھوڑ کر وہ وہاں پہنچے۔ اس کا شہما نہیں۔ بہت دور پر ایک درخت تھا۔ انھیں امید تھی۔ یہاں ہی ہوگی۔ نزدیک راہنی خیالات میں متفرق تھے۔ اور درخت کی طرف قدم بڑھائے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ مکان سے چور چور ہو رہے تھے۔ رفتار بہت سست پڑ گئی تھی۔ جھجک جھجک کر ہستہ آہستہ قدم دھرتے تھے۔ شاید اس خوف سے کہ کہیں ان کی یاؤں کی آہٹ پا کر اندومنی بھاگ جائے مگر ہلنے اور درخت کے پاس پہنچنے پر بھی اندومتی نظر نہ آئی۔ چاروں طرف باہوساہ لگے ہوں اسے دیکھنے لگے۔ کبھی کبھی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی آنسو ٹوکتے ہوئے کھنکھندے سانسوں سے بھرتے لگ جاتے تھے۔

مکابک نہ معلوم کون کیجھے سے بول اٹھا۔ سر بندر! کیا دیکھ رہے ہو۔
زیر رنے دم بھر میں دُنیا جھان ڈالی۔ مگر کہیں بھی یتہ نہ ملا۔ بالآخر دل میں تلاش کرنے کے وہاں دیکھا کہ اندومتی کی موڑتی براجمان ہے۔ فرط یجودی سے یوں بول اٹھے۔
اندومتی کو۔

آواز آئی۔ ”اندومتی کے چرتر پہ نہیں دستواست ہے؟“
سر پلہ ماتھے آرزو مندانه لہجہ میں کہا۔ اچھی طرح سے!
پھر وہی آواز سنجیدہ لہجہ میں آئی۔ جبردار! اب بھی کہتا ہوں۔ پھر دل سے پوچھو۔ تم۔“
دریدر ناخداہ یوئس ہو گئے۔ بات کاٹ کر دیتا باہ انداز سے بولے۔
تباؤ اندو کہاں ہے؟

اس معلوم ہوٹا۔ جیسے اس نے ہنس کر کہا: تم ناگل ہو۔ اس قدر بتانی سے کام کیونکر چلیگا؟
 زبیر کو غصہ آ گیا۔ نہایت ہی کراخت لہجہ میں بولے۔ تم انسان ہو۔ یاد دلاتا ہو۔۔۔۔۔ تم
 جیسا خراب آدمی کوئی اس دنیا میں نہیں ہے۔ پوشیدہ رہ کر میرے ساتھ بھیل کر رہے ہو۔
 اگر سامنے ہوتے تو ہمارا سر پھوڑ دیتا۔ اس وقت معلوم ہوتا کہ زبیر رات کے جسم میں کتنی طاقت
 ہے؟“

پھر وہی آواز آئی: ”ولس زبیر! جس کے دل میں استقلال نہیں۔ وہ کیا انسان ہے؟
 زبیر رات کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوٹا۔ جیسے یہ آواز پہلے بھی سنی ہے
 تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ فکر کر لے لگے۔ مگر فکر کرنے کے ماوجود بھی کچھ تیر نہ کر سکتے
 کبیدہ خاطر لہجہ میں بولے ”میں پانی نہیں میرا قصور معاف کرو۔ آپ کے پاؤں بڑھتا ہوں
 دیا کر کے مجھے اندوختی سے ملنے کی تدبیر بتا دیجئے۔ ورنہ دردِ عم کی آگ میں جلتے ہوئے دل
 کو اسی ندی کے پانی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا۔“

”عہد کر سکتے؟“

”وہ کر سکو گا“

”تجید کو سکت تو نہ کرو گے؟“

”ہاں رہتے ہوئے ہرگز نہیں“

”کبھی اندوختی کا تناگ تو نہیں کرو گے؟“

”ہیں“

اسی وقت وہی آواز آہستہ آہستہ لہجہ میں آئی ولس زبیر! تھوڑی دیر پر
 گالوں میں — ایک ٹوٹی ہوئی چھو پڑی ہے۔ وہاں جلسے یہ اندوختی کو دیکھ سکو گے
 اندو کا ایک دل ہرگز نہ دکھانا۔

آواز بڑکی۔ زبیر رات نے دیکھا۔ اُن کے سامنے شیو کی سی موڑتی راجاں ہے۔ دیکھتے ہی
 یہاں گئے۔ بول اٹھے۔ یہ کیا؟ یہ کیا؟ ہمارا ح! تم — تم —
 کہتے کہتے زبیر رات کو حسیل کیا کلپتے کا پتے اُن کے حیرنوں پر کٹے ہوئے درخت

کی طرح گر پڑے۔ اسوقت وہ زبردست شخصیت بھی معدوم ہو گئی۔ یہی جہاں نش زینہ زمانہ کے حیون داتا تھے۔

چونتیسواں باب

سز موت

ایک معمولی مکان میں ایک تنگ کمرہ تھا۔ اس کی حالت نہایت خستہ و سیدہ تھی۔ دروازے میں کوارٹنک نہیں تھے۔ بجایا کوڑا پڑا تھا۔ تمام مکان میں عسوت بھی۔ شاید دور رخ سے بھی زیادہ! کمرے میں گرد و ڈی کے ککڑے حاجا بیکھے تھے۔ اور اس برباک عورت یثی ہوئی تھی۔

عسوت کی حالت ہایت خوفناک بھی۔ جسم پر گوشت کا مام نہیں۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ تمام بدن سیاہ پڑ گیا۔ کانوں میں گدھے پڑے تھے۔ آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں۔ لگران میں لٹماتے ہوئے چراغ کی سی روشنی تھی۔ ان آنکھوں سے گرما گرم آسٹوٹیک سے تھے۔ رہ رہ کر عسوت نکاہوں سے دیکھتی تھی۔ نکارونڈھا ہوا تھا۔ اور رورور غصہ و نفی کی قیود سے آزاد ہونے کے لئے سر گرمی دکھا رہی تھی۔ وہ زیادہ تر یہوتی کی حالت میں رہتی تھی۔ حاشا! کہتی تھی کہ ہوس و حواس نامہ نہیں۔ مگر کامیاب نہ ہوتی تھی۔ بڑی سخت تکلیف تھی۔ دور رخ کی تکلیف تہا اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتی۔ یہوتی کچا میں آئے ایسا احساس ہوا۔ جیسے وہ کال ساگر کی ترنگوں میں غوطے کھا رہی ہے۔ اور کہیں نہ نہ نہیں ملتی۔ ایسا بھر پورا حس کی تھاہ نہیں کدہ نہیں۔ ہاہ کہاں ملتی؟ لہروں کے پتھر پڑے سے تمام بدن زخمی ہوا تھا۔ نام س مانی بھر گیا۔ کانوں میں ہوس کی ہتیناک آوا آئے لگی۔ یا نی پٹیتے پٹیتے پیٹ پھول گیا۔ اور وہ خود غوطے کھالے لگی۔ بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ کسی طرح اس نے سانس لیا۔ تکلیف سے روتے روتے آنکھیں پھول آئیں۔

برکاک عورت نے پھر دیکھا۔ ان ہتیناک لہروں کے اندر ایک جھوٹی سی کت سی سہنے۔ بہت خوبصورت نظر آتی تھی۔ اگر چہ پانی کا بہاؤ ہایت خوش خوش پر تھا۔ پھر کئی سی پُرسکون تھی۔

اُس شے میں کتنے ہی خوماک لوگ تھے۔ اُن کے ہات میں ایک ایک نیم سوختہ مانس کے ٹکڑے تھے۔ اور وہ اُنھیں سے کتنی چلاتے ہوئے عورت کے پاس آئے۔ آتے ہی ایک باس عورت کے بالکل قریب ہی پھینک دیا۔ عورت نے اُس مانس کے ٹکڑے کو پکڑنے کے لئے ہات بڑھایا۔ اُس مانس کو پکڑتے ہی ایک موڑتی "ہی سی" کر کے ہسے لگی اور بانس جھین لیا۔ عورت میناہ کی جگہ "پاکر پانی میں غوطہ کھانے لگی۔ غوطہ کھاتے کھاتے اُس نے اندازہ لگایا جیسے اُس کی روح جسم کو چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ واقعی جیسے وہ مر گئی تھی۔ اگر مر گئی تھی۔ مگر پھر بھی سہتی نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اُس کا تمام جسم پانی سے پھول گیا ہے۔ کتنے ہی کتنے۔ لومڑی۔ گدھا اور کوتے اُس جسم کو ابھی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور ہات ہی بیدردی سے کھا رہے ہیں۔ عورت کھٹک دیکھ کر چوک اُٹھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ کچھ دیر بعد ہی خوماک لوگ آپس میں بلکراس کی روح کو لے چلے کہاں؟ بالکل تاریک مقام میں۔ جوں جوں وہ لیجا رہے تھے۔ تو توں تاریکی اور بھی بڑھتی جاتی تھی اُس ظلمت میں کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں وہ لوگ کیوکر مائے تھے۔ بھہہہہہ کہا جاسکتا۔ گو اہر سہارٹ تاریکی کا مردہ بڑا تھا۔ دائیں۔ بائیں۔ اوپچے پیچے آئے سنے غرض چہا طرف نہ صبر نہ کھائی دیتا تھا۔ تاریکی مچ رہی تھی۔ بہہ رہی تھی یکایک اُس تاریکی میں بلی چمکی۔ عورت نے اُس کی روشنی میں پھر دیکھا۔ سلسلے ردست آگت تھل ہے۔ اُس پر ایک بڑا کڑاہ جینھا ہوا ہے۔ اور بلی کھول رہا ہے۔ ابل رہا ہے۔ اور اُس میں اشماں کی نینہ ہی دکھائی دیتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ ایک طرف لوسے کی گرم گرم سرخ سلا جھیں لظا۔ ہی تھیں عورت کو وہ کھانے کے لئے وہ لوگ وہی سلا جھیں لا رہے تھے۔ اور عورت کی ہریت آتما کو جھیں کر اُسی کھولے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ اور اُہیں گرم گرم سلا جھوں سے عورت کا جسم جھو جھو کر اُس کھولے ہوئے تیل میں غرق کرنے لگے۔ ہانے ہانے اُہاں گئی اُہاں گئی اُہاں کھٹا کر ودر کھٹا کر ودر یہ کہتے ہوئے وہ پھینسی سے تڑپتی ہوئی چھینے چیلانے لگی مگر یہ در ودر منہ آواز اُسی کے کا لاف تک نہ پہنچی۔ بلکہ وہ پتہ ناک موڑتیں بڑے بڑے دانت نکال کر مضحکہ جینہ بنی بنی لگیں۔

پھر چلی چلی دیکھا اُسی کڑاہ کے پاس جیسے پر توں کھڑا ہے۔ کھڑا کھڑا وہ بھی ہنس رہا تھا۔ اُسی

درد مند و شکنجہ نالیاں بجا آتھا۔ اور زنا چتا خاصو ت نے پر قول کو دیکھ کر اپنی جان بچانے کی کوشش پر قول نے یہ بات سن کر بھو میں جڑا لیں۔ اور سر رنگا ہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک گورسنی کی عیندوٹی دیکھا۔ یاس کوئی بھی نہیں خوت سے تمام جسم بول سے ہلے ہوئے پتے کی طرح تھر تھر کانپ اٹھا۔ کانپنے کا پتے غیر خشن آگیا۔ پھر وہی ہیناک نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔

ہستیا سوال باب ۳۵

کنگن پور ناجی کانوں کے پاس ایک پڑانا جنگل جا۔ یہ بہایت ہی دلکش اور پُر قصا تھا۔ طرح طرح کے پھل دار درخت تھے۔ قدرتی خوت نامیلیں بھی بیشتر تھیں۔ لوگ آتے جاتے بھی تھے۔ کچھ دن ہوئے۔ اسی جنگل میں ایک ڈبلی تلی نازک اندام نازن بنے آکر پناہ لی تھی۔ بڈتوں کے سوا گوشت و پرشت کا نام تک نہیں تھا بخوبصورت ماں کے کچھ روکھے پھٹے نظر آ رہے تھے لباس نازنا و تمام بدن میں بھجوت ملی ہوئی تھی۔ کٹا پینے کے لئے وہ کانوں میں نہیں عاتی تھی۔ جنگل کے قدرتی پھل پھول سے زندگی کے دن سر کر رہی تھی۔

شام نے تاریکی کا لباس زیب تن کیا تھا۔ اس کا عکس درخت اور درخت کے پتوں پتوں پر رہا تھا۔ ایسے وقت میں وہی نازنین کٹی کی ایک کھڑکی کے یاس آکر بیٹھ گئی۔ کھڑکی کے سامنے ایک درخت تھا۔ اس کی شاخ بیولوں سے لدی تھی اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جسے بیول کھٹکھٹا کر ہنس رہے ہیں۔ نازنین کو وہ ہنسی بہت پسند آتی مگر اس نے دیکھا کہ ایک کھٹا ہوا بیول مڑھکا کر زمین پر گر پڑا۔ سوچے لگی تمام کلیاں کھلتی ہیں ہنستی ہیں اور یہیں کر پھر خاک میں کیوں ملجاتی ہیں ان کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ پیارا پیارا دلاؤ تبشم نازک پنکھڑیاں اور حسن کی لاحت میں نہات ہی دلکش دکھا رہے۔ مگر یہ سب تھوڑی دیر کے لئے کوئی جی بھرا سے نہیں دیکھنے پانا۔ خود بخود چھوٹتا ہے۔ اور خود ہی گر جھکا کر خاک میں ملجاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے اگر اور تھوڑی دیر تک شگفتہ رہ کر اپنی بوئے خوش سے

بارغ عالم کو فطر کر مہار تو اس میں کیا ہرج تھا؟ تم نے بھی کیا مہری طرح کسی کے دل کو چوٹ پہنچائی ہے۔ اور اسی لئے نہا را تیاگ کیا گیا ہے؟ کھنڈہ آؤ مجھ سے بے ہوش ہوئے، وہاں رہاں ہے کیا شک ہے؟ بلکہ کچھ دیر تک قیام پذیر ہو کر یہ خود ہند کر کسی دوسرے کو بھی ہنساکر دلاتے تو اس سے ایک روحانی شکھ ملتا۔ ابھی آئے۔ ابھی گئے۔ ایسا کیوں تمہارا بھروسہ میں کیا کسی کی ناقابلِ ردِ اشتِ تکلف تھی۔ تکلیف مانتے ہی کیا یکدم دھچکا کر خاک میں مل گئے؟ من تر مصیبت اٹھا کر اُمّتِ دس کے سربارغ دیکھے کی خواہش میں رہ رہے ہوئے۔ تم کیوں نہ ٹھہرے؟ سمجھ گئی تم زندگی کی شویاں اور مالکیں کا اظہار کرتے آئے تھے۔ ادا دل میں تھو محال ہیں۔ اور تم بھی شویا ہو۔ کلی اور لہر میں سب شوی سے بھر لو رہے۔ میرا دل بھی چیل ہے۔ پھر کیوں اس زندگی کا حاتمہ نہیں ہوتا؟ بیٹول! تم جس راستے میں گئے ہو۔ میری دھک سے پھری ہوئی رہ گئی کیوں اسی راستے میں نہیں جانی؟ ابھی میں بتا رہی طرح اس سمنسان جنگل میں مرنا۔ ہنس کرتی۔ مرنے کی تو انھیں کچا کھانے کی فہم میں! جوانِ دم میں اسانا پیریت تیار کر سکتا ہے وہ جڑ و راز تک سورگ کا بیوگ کرے گا۔ کیا تری ایسی مسرت ہو گی؟

(مدونتی نے سوقت اچھتہ گہرا سانس لیا۔ سیدہ پڑھتیوں کی لڑائی کھینچ لگی۔ آنکھوں کے آسوں کو کچھ کر بھر سوچے لگی۔ اسوقت وہ کہاں ہیں؟ کیا میری ماؤ کرے ہو گئے؟ میں کلکی ہوں گئے؟ کیوں ماؤ کر گئے؟ معلوم ہوتا ہے۔ بھولنے کی کوشش کر لے ہو گئے گھر چھوڑنے پر اک دس بھی تو یہ دل نہیں رہا۔ ہمیشہ اس دل میں رہ گئی آگ جلتی رہی؟ اس رکھ داکیا حاتمہ نہیں؟ وہ وسگنہ بیٹوں کے درخت کے سچے بیٹھ کر بہت مسرور ہوئے تھے۔ چاند بکے پر اس کا کھنکھ دیکھ۔ کمر کس قدر متحیر کرتے تھے۔ ناراض تھے دیکھ کر کہتے تھے اندوا گھر سے اندر جاؤ۔ یہ دیکھو۔ حاتمہ بہار اُسور چہرہ دیکھ کر حاتمہ سے نہیں لینے کے لئے سورگ کے دوت بھیج رہا ہے۔ جب پرند کہتا۔ "نہو مات کہو" سب ہلستے ہلستے کہتے۔ اندوا خبردار! کبھی ایس نہ کر۔ اور دیکھو سٹا کہیں نظر نہ لگا۔ یہ کہتے کہتے وہ اپنی بیاری مازک انگلیوں سے مراٹھہ بد کر دیتے تھے کسی طرح بھی بات نہ کر پھرتے تھے۔ جھولوں کی تپسی نہیں لینا۔ آتی تھی۔ کہتے تھے پھول اگر نہ فوٹے اندوا کی شکلا ہٹ چڑالی ہے مگر پھر بھی اندوا کی پھر مسکراہٹ میں۔

معلوم کیسے کیسے دگدگ انداز ہیں۔ میں ترم۔ بانی پانی ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی کہتے ہی ہو لو
سے لڑے ہوئے دم دست لہر آ رہے ہیں۔ مگر نہیں دیکھتا تھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس وقت بھی جانر
میں کلنک ہے۔ اب بھی تارے کھلتے اور ٹوٹتے ہیں پر زخمہ سرائیاں کرتے ہیں۔ پھول نہ ہوتا
ہے۔ مگر وہ تو اسی طرح اسی اٹھانگی سے کچھ نہیں کہتے۔

اس طرح سوچتے سوچتے اس کی حالت ہو بہو دسی ہی ہو گئی۔ مجلسی ماں کی بچکے چرائی میں
ہوتی ہے۔ آنکھوں میں آنسو پھر آئے۔ دل مایوس ہو گیا۔ کلبجی میں جیسے کوئی جینکیاں لینے لگا
رفتہ رفتہ سبکیاں بھرنے لگی۔ بہت دیر تک اسی طرح تڑپتی رہی آہستہ آہستہ بھلا
دور ہوئے لگی۔ اس کے بعد پھر سوچنے لگی۔ بہت اچھا کیا۔ یہاں رہنے پر بھی ایک طرح اچھی ہی
ہوں۔ میرے لئے شیل مالا کیوں تکلف اٹھائے گی۔ میں بھی اسے تکلیف کہوں یہ سچاؤں گی
اُس سے کہہ رہیں آئی۔ اچھا کیا۔ اگر تاتی۔ تو آسکتی شیل مالا دوسروں کا دکھ نہیں دیکھ
سکتی۔ اپنے دل کو اندر پسیدہ رکھ کر دوسروں کی تکلیف دور کرنے کی کوشش میں بہت
سرگرم رہتی ہے۔ ایسی شیل مالا سے کہہ کر کیا آسکتی تھی۔ کبھی نہیں۔ اگر اس سے ذکر بھی کرتی
تو یہ معلوم وہ کس قدر سبھاتی کھاتی۔ نہیں کھا یہ سبھی اچھا کیا۔ شیل مالا اب شکھی ہو سکتی
وہ اپنے شکھ کا راستہ اس وقت خود ہی تلاش کر لے گی۔ میں اس کے شکھ کی راہ میں کاٹنا
ہوئی تھی۔ ایستور سے پرارہا کرتی ہوں۔ کہ شیل مالا ہی شکھ کا منہ دیکھے۔ میرے ساتھ رہے
سے وہ ہمیشہ درد غم کی آگ میں جلتی رہتی۔ ایسے لمحہ کے لئے دوسروں کا دکھ دینا کیا مناسب
شیل مالا میرے لئے کیا کم دکھ اٹھا باپتہ میرا دکھ دور کرنے کے لئے اس نے ہو کہ
یہاں۔ سردی۔ گرمی۔ خشکی۔ مری۔ غرض سبھی ٹری ٹری آفتوں کا سامنا کیا۔ میں کس طرح شکھی
ہو گئی۔ وہ اسی فکر میں رہتی تھی۔ دھندہ ہے۔ شیل مالا کی یہ ایکاری زندگی پر دھندہ ہے
ہنگوان صرور اس کا منور ہونے لگا۔

یہ ایک ایک راکٹ اچھوٹے سے کیرے کی طرف منہ کئے اندر مٹی کے پاؤں کے پاس
سے آئے۔ جیسے لگا۔ اندر مٹی کی نگاہ اس پر پڑی۔ وہ جیسے ہی اس کیڑے کو پکڑے تھی
یہ وہ چھوٹا کیرا لگا۔ اندر مٹی سے اڑنے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے اچھل کی زد سے

اسے پیچھا کر دیا۔

چھوٹے کپڑے نے اس بڑے کپڑے کو چھوڑ دیا۔ اور اندرونی کے ہر چار طرف اڑا کر دیکھنے لگا۔ اندرونی کپڑے کو پا کر بہت خوش ہوئی، اور اُسے چھوٹے کپڑے کی کبھی اڑانے کی فکر کرتی تھی۔ مگر چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اُس میں اڑنے کی پوری پوری طاقت ابھی ہے۔ آئی تھی۔ کپڑے کو پا کر وہ اپنے تمام خیالات بھول گئی۔

ناظرین! یاد ہو گا۔ کہ سیل بالانے اکافت سے کہا تھا: شاہد بادرونی کو کوئی بے گیا۔ اُس کا یہ قیاس بالکل غلط تھا۔ اندرونی نے کیوں شیل بالاکا ساتھ چھوڑا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت سب سمجھتے تھے ہوں گے۔ اس وجہ سے ہم بھی اس باب میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

پچیسواں باب

مشبہ ملن

آدھی رات کا وقت تھا۔ چاند تاریکیوں کے پردہ کو خاک کرتا ہوا اپنی منور کردن سے صفحہ عالم کو گلہ گارہ تھا۔ اندرونی اُس وقت کھڑکی سے اٹھائی تھی کپڑے کو ایک اچھی جگہ رکھ دیا تھا۔ اور خود مستحق ماسب منہ کر کے آچل کو گلے میں ڈال کر مٹھی ہوئی بریدر ناٹھ کے ناک چروں میں دھیان لگنے لگا رہی تھی۔

گلانے کے بعد زمین پر سرسودہ ہو کر نرم درناٹھ کو پر نام کیلہ اُس کے بعد وہیں زمین پر لیٹ گئی۔ ایک ایٹ کا تکیہ لگا لیا۔ کیونکہ وہاں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ ہاں اگر کوئی حسرتیں تھیں۔ تو وہ بہت سے پھل تھے معلوم ہوتا ہے۔ انہیں پھلوں سے اندرونی کے لئے دن کٹے تھے۔

اندرونی لیٹی ہوئی ضرور۔ یعنی مگر نیک کے عوض اُس کے دل میں وہی خیالات آئے۔ لگے۔ جن کی ادھیڑ میں وہ ایک عرصہ سے تھی۔ سوچا! بھگوان اب زیادہ عرصہ تک یہاں رہیں گے۔ سریدہ! پیارے عزیز! اس جنم کی نگاہنی کو کیا اس اپنے شری چروں

میں جگہ نہ دو گے؟ تمہارے سوا اس دنیا میں میرا اور کوئی نہیں۔ تمہیں میرے دھیان دانا اور تم ہی میرا لوک پر لوک ہو۔ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ بڑی آس تھی۔ کہ تمہاری بھکتی اور رونا کر کے اپنا جہنم پھیل گئی ہو گا سوخت پہنچتی ہوں کہ میری کوئی لاشا پر ہی نہ ہو سکی تہمتے طرح میں ہی بھکتی ہو کہ ورا کچھ بعد امداد اور رات کے بعد دن آتا ہے ہوا اس ابھانے کے کیا تصور کیا ہے میرے غم کے شمع کی جگہ اسی وجہ سے میرے دل کے سب کچھ اور پاک تیرے سروپ پر نوز میں یہ داسی جگہ نہ پائے گی پرتاج کو پکڑتی ہوں۔ ذہنی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں اور کتنا عرصہ غم سکون لگی؟ اگر جاؤں گی تو کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟

اسی طرح سوچتے سوچتے اندوستی کی آنکھوں سے جتنا کی دھار رواں ہوئی — دل رویا — سانس کھینچ کھینچ کر حبسے اُدیر آئے نگی۔ اور اندوستی کو معلوم ہوا۔ اُس کے دل میں۔ دائیں بائیں۔ آئے۔ سامنے۔ آگے چھو غرض ہر طرف جیسے زبردنا تھ کی درتی رہ جانے ہوئی نہایت ساکس تھی۔ معلوم کیوں۔ اگر مات دکھائی دیتے تھے۔ تو پاؤں نہیں نظر آتے تھے۔ پاؤں دکھائی دے تھے تو سب کا باقی حصہ رولوش۔ نظر ٹھہرتی ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں اندوستی بہت دیر تک بیڑی رہی۔

مگر مسد ر کبسوئی سے زبردنا تھ کا تصور کرتی رہی اُسی قدر اُس کے دل پر ایک پُرسور و زرخ کی حالت طاری ہوتی تھی۔ اُس کے دل میں زبردنا تھ کی ملامی و جمالی صورت لے اپنا نور عیاں کیا۔ اُس صورتی کا درشن پاک بھی اندر متی نہایت ہی پُرسکون — اہل رہی۔ اسے نہ خوشی تھی۔ اور نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ جیسے وہ زبردنا تھ کے رویہ

میں لے ہو گئی۔ قرطیجودی سے صرف اس قدر بولی۔ ہائے امر بردا! جب اتنی محم عقبت سے سرشار ہو کر زبردنا تھ کے تصور میں محو ہوئی۔ اس وقت ایک شخص آہستہ آہستہ قدم چاتا ہوا۔ اُس کی میں داخل ہوا۔ اور یا گلوں کی طرح کھڑکی میں منہ ڈال کر اس کی تمام حرکات دیکھنے لگا۔ اس وقت چاندنی صاف ستھافت منور کرنے دھتوں کے پتوں کو چھیدتی ہوئیں آہستہ آہستہ اُس کے رہے ہیں۔ اُچل پھلتی تھیں۔ اور تمام کمر اُس کی کھلی ہئی شعاعوں سے جگمگا رہا تھا۔ اور ہر چہر آسانی نظر آرہی تھی۔

خبر اندومنتی نے ہائے نریندر امانے نریندر! کی رٹ لگا کر اپنے کچھ کا اظہار کر رہی تھی۔ اور اس شخص کا کلیجہ اندومنتی کی کچھ جگر سوز آواز سن کر صے تنق ہو جانا تھا۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ یہ جگر خراش آواز سن کر اس نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ کہ اندومنتی کا سینہ چاک ہو گیا ہے۔ اور اس کا دل چور چور ہو کر قصص مصری کو توڑتا ہو، نریندر ناتھ کا غم رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم چاتا ہو، اچوروں کی طرح کمرے کے اندر داخل ہو، دیکھا نازدین کا پھل اچھولا جسم سوکھ کر کاٹا ہو گیا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ نازدین نزار ملاجیت حافی رہی۔ سوکھے ہوئے کمل کی طرح اس کی حالت ہے۔ عین اسی وقت اندومنتی نے خود غرا موستانہ انداز سے کہا۔ صگوان اوہی تارے ادہی چاند۔ وہی آسمان۔ وہی سب کچھ۔ وہی سب۔ مگر۔۔۔ وہ شخص اندومنتی سے درفاصلہ بر تھا۔ یہ سن کر چار قدم اور بڑھائے۔ اندومنتی نے پھر کہا۔ اس اندو اور اس اندو میں کس قدر فرق ہے؟

اندومنتی کو اس کی آہٹ نہیں ملی۔ اس شخص نے قدم اور بڑھائے۔ نہاس سی آہستہ سے ماریک آواز سے کہا جسورگ ہے با۔

اندومنتی کے کانوں تک یہ بات نہیں پہنچی تھی۔ سو گاہ میں مرے سے کیا تعلق نہیں۔ پہلے کی طرح اس شخص نے اور دو قدم بڑھائے۔ اور ہما مت ہی نرم آواز سے بولا۔ ”ہے۔۔۔ یہ کہہ کر وہ شخص ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اس وقت اندومنتی کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ ایک ناک اندومنتی کا دالیا۔ اس شخص کے پاؤں پر بڑا جھٹکا۔ ہڈی سے ہڈی تک کھس۔۔۔ یہ تو میرے سر پر کے پاؤں کی طرح چیل۔“ کہہ کر وہ بڑکھٹا۔ دیکھا۔ سامنے نریندر کھڑے ہیں۔

اس وقت اندومنتی کا دل کانپنے لگا۔ اور تمام جسم کا سپ اٹھا۔ سمجھ سے ابک باب جس نے کلکی اسود کیا کرنا چاہئے۔ اور کیا کہا چاہئے۔ یہ جیو۔ سمجھ سکی۔ صرف نریندر مانہد کے دونوں یاہوں اپنے سب سے لگا۔ بعد رال د در۔ ایہ میں لوی۔ نریندر راتنے موزن بعد۔۔۔ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ نہ دوچار۔ بلکہ تک کر کے باہر آئے۔ وہ روتی گئی۔

نریندر ناتھ بھی اندرومتی کی بات کا کوئی جواب دے سکے۔ صرف ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ اندرومتی بھی زور سے لپٹ گئی۔ اس وقت اُنکے دلوں میں کیسے کیسے خیالات جوش زن ہو رہے تھے یہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ دل بھر آتا ہے اور آنکھیں آنسوؤں میں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں میں سے کسی کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی تھی۔ صرف آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ اُن آنسوؤں نے ہی جیسے اُن کے دل کی تمام تکالیف و غم کا اظہار خموشی سے کر دیا تھا۔ اندرومتی نریندر ناتھ کے سبہ پر اپنا سر رکھے ہوئے چھوٹ چھوٹ کر رو رہی تھی +

انجام آخری باتیں!

نریندر ناتھ اور اندرومتی دونوں گھر آئے۔ یہ خبر سنکر تمام گاؤں میں خوشیوں کی دھوم مچ گئی۔ مگر نریندر ناتھ کو کچھ بہت خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ رائے مہاشے اور نریندر ناتھ کی ماں دونوں نریندر ناتھ و اندرومتی کے غم میں اس دنیا سے دوں کو چھوڑ کر ریلوک چلے گئے تھے۔ اُن کے غم میں نریندر ناتھ بھی کچھ دنوں تک مسترد و مست رہے۔ اسکے بعد رمانہ کی رفتار کے بموجب وہ دنیا کے کاموں میں بھنسے ہم نے سنا تھا۔ کہ اُن کے سلوک اور سلج کاج کی قابلیت سے رعایا براہوں سے بہت خوش تھی +

نریندر ناتھ کے جیون داتا مہا پرش بھی نریندر ناتھ کے محل پر آکر اُن سے ملے۔ نریندر ناتھ اور اندرومتی کے بچہ امرار پرانوں نے دونوں کو بھکنی بھاؤ کی تعلیم دی۔ اور مالک سے قربت حاصل کر نیکانہایت ہی سہل یوگ بتایا +

مادھوری کا شوہر ستیا س آسٹم میں بدسور رہا۔ ہم نے بہت کچھ پہ لگا کر یہ باتیں معلوم کیں۔ ستیا س لینے کے بعد جیم بھومی کا درشن ایک مرتبہ ضروری ہے اسی لئے حوکی کے بھیس میں وہ واپس آیا تھا +

گورمشی کو حالت نزع میں دیکھا۔ اس نے بعد کیا ہڑا؟ یہ نہیں کہہ سکتے معلوم ہوتا ہے

اُسکا جسم کتنوں کیگد سوں کی غذا ثابت ہوا۔ ڈوبے جی گورینی کی حالت دیکھ کر خوف سے کہیں بھاگ گئے۔

سرنیدرنا تھ کے گھر آنے کے ایک برس بعد رام بھدرے ملکوں ملکوں کا سفر کیا۔ اسکے بعد دس آکر وہ بہت تھوڑے دنوں تک زندہ رہے۔ کچھ دن بعد تارا کانت و شیل بالا گھر آئے۔ سرنیدرنا تھ کے آنے کا حال سنکر بہت خوش ہوئے۔ دونوں ملے۔ تارا کانت سرنیدرنا تھ کی تلاش میں گئے تھے۔ سرنیدرنا تھ کو گھر آتے ہی یہ پتہ لگ گیا تھا،

تارا کانت کے ساتھ شیل بالائی شادی ہو۔ سرنیدرنا تھ کی شروع سے یہ خواہش تھی۔ مگر اندرومتی کے چلے جانے سے یہ اسوقت نہ ہو سکا۔ شیل بالائی شادی کے بعد کبھی کبھی سرنیدرنا تھ کے پاس آکر۔ گھر چھوڑنے کے بعد اندوے جو جو کیا تھا۔ وہ سب باتیں کہہ کہہ کر ہستی ہنسائی تھی،

اسوقت اندوے متی کے پاس تھوڑے شیل بالا کا چھٹکا را نہیں ہوتا تھا۔ اندوے شیل بالکے اور خوب بچھلائی تھی۔ سرنیدرنا تھ اسی سب باتوں کا ذکر کر کے اندوے متی کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے رہنے لگے۔ دونوں ایک دوسرے کی ہڈائی کے ایام کے داستانیں سناتے تھے جس وقت تمام باتیں شروع ہونیں۔ اس وقت دونوں بیٹا مانا اندوے سے رونے لگتے تھے۔ اسی طرح ان کے سکھ کے دن گزرنے لگے۔

ہم بھی اپنے ناول کا خاتمہ کرتے ہیں:

۳

۱۹۱۹ء

۴ مارچ

نوٹ۔ اس سلسلہ کا دسواں ناول منتر شکنی بہت جلد سامنے ہوگا جو ہایت ہی دلچسپ اور عجیب چیز ہے۔ سکائی زمان میں اسکے کئی ایڈیشن ہوئے ہیں۔ قیمت عام مگر ناول میگزین کے مستقل خریداروں کو پرستور نصف قیمت پر ملے گا۔ گیا رھواں ناول استعراۃ اکرم صبر را بنیدرنا تھ ٹیگور کے معرکتہ الآرا ناول ٹوکا ڈوٹی کا ترجمہ نتائج ہر ماہ ہے۔ یہ بھی خوب ہے قیمت عام مستقل خریداروں کو نصف قیمت پر بھیجا جائیگا۔

حیرت انگیز انکشاف سُمرِ غ ! سُمرِ غ !! سُمرِ غ !!!

حُسن و عشق کے خیال و لکھن ضرور ہوتے ہیں۔ مگر ان کو کہیں زیادہ نردلغری اور لُچی کا سامان ان قلوب میں ہوتا ہے۔ جو سُمرِ غسانی اور جاسوسی سے مخصوص ہیں۔ اُن کا یہ شعبہ نامہ حال کی حدت کا نتیجہ ہے۔ دُنیا میں ایسے صاحبِ نام و حقیقت رُس بُچے والے سرِ غریباں پیدا ہوئے ہیں جو اپنی خداداد قابلیتِ سوانِ قیادِ غمروں کے کان کاٹتے ہیں۔ اودان کی اُگلی کھلی اور درمیان کی کارروائیوں کا خوش اسلوبی سے تیر لگا کر اسوقت یقین کیا جاتا ہے کہ انہیں گرفتار کر دیتے ہیں۔ ان کے حالات بلحاظ واقعات بیشک قدیم قصوں سے کہیں یاد۔ دلاویز۔ زیادہ دلپسند اور زیادہ سبق آموز ہوتے ہیں۔ اور مطالعہ کر بوالہوئے عقلی جذبہ کو نشوونما دیتے ہیں۔

احقر اختر نے اردو لٹریچر میں اس صنف کے اضافہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ جو جاسوسی کے متعلق نئے نئے حیرت انگیز کسبِ خیز ناؤں کو اردو کا جامہ پہنایا جاوے۔ یہ سلسلہ **ناولِ مہجریں** کے باہل علیحدہ **سُمرِ غ** کے نام سے موسوم ہے۔ سال بھر اس سلسلہ کے کہ از کم چھ اور زیادہ ناول زیادہ آئے ہوں گے۔ تمام ناول مستقل اور مسلسل حیداروں کو نصف قیمت پر دئے جاتے ہیں اور عام بھجپ سے پوری قیمت لی جائے گی۔ مستقل خریداری کے خواہشمند بھجپ سے ہر ناول صرف ایک تیر لکھ جاتے ہیں۔ جس کی ادائیگی پر مستقل خریدار تصور ہو کر اس سلسلہ کا ہر ممبر نصف قیمت پر پائے کے مستحق ہونگے۔

اس سلسلہ کے تین ناول شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ناول **جاسوسِ نہایت ہی قوی** اور دوسرا **انکشافاتِ سوسائٹی** اور تیسرا **مستقل حیداروں کا**۔ یہ سلسلہ **ناولِ مہجریں** کے تحت ہی چلا جائے گا۔ دیکھیں کہ یہ سلسلہ کتنا دلچسپ ہے۔ ہر ناول میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس ہیرو کی زندگی میں چار یا پانچ ناول لکھے جائیں گے۔ پہلا ناول **جاسوسِ نہایت ہی قوی** ہے۔ اس میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس ہیرو کی زندگی میں چار یا پانچ ناول لکھے جائیں گے۔ پہلا ناول **جاسوسِ نہایت ہی قوی** ہے۔ اس میں ایک نیا ہیرو ہے۔ اس ہیرو کی زندگی میں چار یا پانچ ناول لکھے جائیں گے۔

نایاب اور نادر علمی خزائنہ کے انمول رتن

از تصنیفات مہرشی شیخوبرت لال صاحب مہمن ایم اے وغیرہ -

- (۱) سرت شید بونگ کلیدرم - سرب سند بونگ کلیدرم کی کئی - عامل و شاعر ضرور مطالعہ کریں - قیمت ۱۲
- (۲) وچار کلیدرم (دیوانت وادوبت) وچار سگر کے ڈھنگ پر - ۱۰
- (۳) بونگ کلیدرم - علم و تحریر سحر و تمیز پر جاننے والی لائانی کتاب - ۸
- (۴) جرت کلیدرم - رسی مہی راجہ ہماراجہ - سورسودھناؤں کے حالات - ۸
- (۵) ریمہ وچار کلیدرم - افسندوں کا عطر - دیوانت کا انمول رتن - ۸
- (۶) آتم وچار کلیدرم - آتما کا رتن - آتما کی وساحت و صراحت - ۸
- (۷) کتھا کلیدرم - کھنگوں کے نو تر اور دسب حالات - ۸
- (۸) رشی برنانت کلیدرم - رشیوں کی کہاس - رشیوں کی نقطہ حمال ہی عجب دلچسپ - ۸
- (۹) جین برنانت کلیدرم - ایک عہد میں حین ہماناؤں کی یاد رمل کے حالات - ۸
- (۱۰) دیوانت کلیدرم - دیوانت کے مضامین و مہرشی ہسودگی نایاب کتاب - ۸
- (۱۱) وشنو دیوان - حلد اول - دیوانوں میں سب سے بہتر - ۸
- (۱۲) کنگی دیوان - کنگی میں جو کنگی جگوان ہوں گے - انکا حال اس کتاب میں مج - ۸
- (۱۳) انجیات بعدالہیات - رنوت کے بعد کے حالات - ضرور ملاحظہ فرمائیے - ۸
- (۱۴) عجیب غریب قصے - سبق آموز دلچسپ قصے - حکونوں کا ستون ہو ضرور پڑھیں - ۸
- (۱۵) لغتہ رمائی (گستاخ نظام) مترجم حضرت مہر - ۸
- (۱۶) عملی دیوانت - سوامی و دوکانند جی کے پیکر لکھا - درد و غم بہتر ہے مہر - ۸
- (۱۷) ریمہ گیان پیکر - دیوانت کے مضامین و مہرگی نئی مادا گینے سنگھ آتم ورنشی کی نصف - ۸
- (۱۸) محسارالمکاشفہ - وید مادا گینے سنگھ آتم ورنشی کی نصف - ۸
- (۱۹) مہر برت - ایک بچے مہدو کے مہدو والی جہدات کا ہشتہ - ۸
- (۲۰) راز و خالصورتی - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۱) کلام اجتر - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۲) دیوانہ فہم حصہ اول - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۳) دیوانہ فہم حصہ دوم - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۴) گایاں دھرم مہاراجہ - دیوانہ فہم حصہ اول - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۵) مہرتری گریہ و شہدائے - دیوانہ فہم حصہ اول - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۶) کلام میں جوتی - دیوانہ فہم حصہ اول - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۷) خاصہ جوتی - دیوانہ فہم حصہ اول - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸
- (۲۸) ناولوں کے تمام خوبیاں و ناولوں کے تمام خرابیاں - مصنفہ مشی گوری سکر لال مہاراجہ - ۸

قیمت سالانہ

فصل

اور زبان میں اس صنف کو لکھنے کی
 کمی دیکھ کر کئی گویا شکر لال صلیب شراٹھیر سال
 عات تیرہ سو پچھو سادس گزین شراٹھیر شراٹھیر شراٹھیر
 سٹن بھاری متوانرہ خواست پر اس نئی مگر شاندار
 سلسلہ کی ابتدا کی یہیوں لوگ دل بکھتو کو تو بکھتو
 ہیں مگر ذرا محضت سے سب مہا کر تو ہیں انہیں غمناں
 تو درگاہ اٹھائیں اس کثرت کیساتھ ہو تو ہیں کہ خوش
 واپسی طبیعت سکندر چوٹی ہو بلا شکر گالیوں نو اس
 شرف میں کمال نکھایا جو اس نور سو منور ہو کر خواب
 اختر صاحب نو نہ شاندار اور بر رطقت ملسلہ
 شروع کیا یہ فضا بکھنا آسان ہے
 ناول ہی مشکل نہیں مگر

جمع نویکی سلسلہ فضا بکھنا کا جو دارو
 ہمارا اس سلسلہ میں فضا کی تمام خوبیوں کو مد نظر رکھ کر
 چھوڑ دیا ناول نگاروں کو یہ سلسلہ ناول نگارین اور
 ناول نگارین کے عمدہ ترین چھوڑ دیا ناولوں سے
 با سکی علیحدہ ہو گا۔ اس کے ناول زیادہ سے زیادہ
 بیاس صفحہ کو ہوں گے۔ مگر نہایت دلکش بیلاٹ
 میں اتنی خوبی ہوگی مہر اور کہیں نظر نہ آئیگی
 ہم دعوے کیجھا کہ تو ہیں کہ اس سے بہتر فضا نو اور
 کسی زبان میں نظر نہ آئیگی۔ اس سلسلہ کے سال
 میں بارہ نمبر نکلیں گے قیمت سالانہ ہر
 مدد وصول لڈاک ہوگی۔ بکھائی چھپائی
 د کا غنہ دیدہ زیب

اس کا پہلا نمبر پہرہ صوا شائع ہو گیا ہے

دوسرے نمبر میں کوئی کی ڈائری کی یہی بلا شکر ہے
 امتحان آپا ہیں دو ناولوں کو چھ کر دیکھ لیجئے۔ کہ کس قدر و تحب حیرت آئیز
 درقت اتر ہیں۔ جو مساد کے خریدار نہ ہونگے۔ انہیں فی ناول حادہ چار آٹے میں لیکھا
 تمام درحالتیں اس پتہ پر آئیں

آرہ اتہ ایس لی ہاگ چانگ سپر ٹریٹ فضا بکھنا دفتر ناول نگارین لاہور

ادھاسوہی جنرل لٹریچر کی نایاب کتب

سنت اہرت بانی کا سلسلہ جن اصحاب کو پسند ہو۔
اور اس کو لکھ کر جو مذاہب ہو وہ اپنا نام مستقل
خریداروں کی فہرست میں اصل کرادیں انکو تمام کتب
بجھتے ہی یہ قیمت پر بھجادی جائیگی۔ جو مستقل
خریدار نہیں ہوں گے۔ ان کو اصلی قیمت لی جائیگی
یہ سلسلہ اپنی قسم کا نہایت ہی چست و بختی بھاد کا
پڑھنا والا ثابت ہوگا۔ اس سلسلہ کی اب تک حسب
ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ است کبیر کی سادگی۔ قیمت اصلی ۱۰ روپائی ۸
۲۔ است کبیر کی شہد اولیٰ ستر ستر ۷۰ روپائی ۶
۳۔ گوروتیج بھادویب کی بانی ۷۰ روپائی ۶
۴۔ یجن سار حصہ اول ۷۰ روپائی ۱۲

۵۔ یجن سار حصہ دوم ۷۰ روپائی ۱۲
۶۔ شاہی بھکاری ۷۰ روپائی ۱۲

۷۔ شاہی ڈاکو ۷۰ روپائی ۸
مستقل خریدار کو رعایتی قیمت پر یہ کتب دی جائیگی
بسرطیکہ وہ اپنے چری خریدیں۔ ورنہ یہ سنت
امت بانی کے سلسلہ کی برکت نہ مستقل خریداروں کو
۸۔ قیمت پر ادھار گیا کی لئے خریدار کو یہ قیمت پر
دی جائیگی۔ جو شرائط کے علاوہ ۷۰ روپائی

۹۔ امت بانی کے سلسلہ کی کتاب بیچنے والے
تیار ہو۔ امت بانی کو مستقل خریدار ۷۰ روپائی ۱۲
دی جائیگی۔ خریداروں سے غیر علامہ و حصول
پتہ پھر یہ سنت اہرت بانی۔ لاہور ۷۰ روپائی

۱۰۔ وگیان رامین۔ شری ام چندر جی کا چتر
وگیان کی نظر سے بہت اصلی لکھ رعایتی ۷۰ روپائی
۱۱۔ وگیان کرشنا میں بھاپہ جو کرشن کی رنگ
وگیان کی نظر سے قیمت اصلی ۷۰ روپائی ۱۲
۱۲۔ وگیان وشنائین اور وگیان
پیشو ترین (ایک ساکھ) ویرانت کی نادر عام ۷۰ روپائی
۱۳۔ ادھارت سلیس کتابیں عبت اصلی ۷۰ روپائی

۱۴۔ وگیان بودھان اور وگیان
یجنائین (ایک ساکھ) بھاپہ جو بڑھ بھگوان کا جلی
چر برمدان کی فصل تقسیم کے قیمت اصلی ۷۰ روپائی

۱۵۔ وگیان سنائین۔ پورن دھنی حصہ
بھارت صاحب کا جیون چر مد ارشاد

۱۶۔ دیو ضات کے قیمت اصلی ۷۰ روپائی ۱۲
نوٹ: جو صاحب تمام کتابیں ایک دفعہ
خریدیں گے ان کو وید انت نامی کتاب
ضیامت ۲۲۰ صفحات۔ قیمت ۱۰ روپائی
دی جائیگی ہے۔ شائقین درجہ سب

۱۷۔ جلد بھیجیں۔ اس کی صرف ٹھوڑی سی
سکیمیاں دفتر میں رہ گئی ہیں۔ المشتہار
بھگوان دھرم کھنڈو بیچ کر وگیان کی



ہنسی مذاق کا سخی نہ۔ ادب اخلاق کا کتب خانہ چہل دل لگی کا قیمتی سامان عجیب طبعی
کا پیش بہا ارغواں۔ ظرافت کا میگزین زندہ دلی کی یقین شکن چلتے اور بونٹوں پر قہقہوں
کے جٹاتے چھوڑتے چلتے۔ آج تک اردو زبان میں کسی نے بھی اس قسم کی کتاب نہیں
لکھی تھی ہنسی ہنسی میں اطفال اور ادب کی تعلیم دینا آسان کام نہیں۔ بلکہ سخت مشکل ہے پتھر
بہم ہی نے اٹھایا ہو گا جس کی اس میں۔ ہر طرح لائق ناباب اگر کوئی شخص ایک ہی کتاب میں قسم
کی اردو۔ ہندی سمرتی ہوتی دیکھو ہندوستان کی مروجہ زبانوں میں دکھاؤ۔ تو زیادہ
نہیں ہم تفریح کی باج کا پیاں اسکی تذکرہ کر دیں گے۔

تفریح کے سلسلے کی دو کتابیں چھپ گئی ہیں۔ ایک کا نام ہے "ہماری پڑھی
لکھی بیویاں"۔ دوسری کا ہے "ہمارے پڑھے لکھے مرد"۔ دونوں نظم
و نثر سے آراستہ تشبیہات و استعارات پر پرستہ جو اصحاب تفریح کی مستقل خریداری
منظور فرمائیں گے۔ ان کو نیک قیمت پر دی لی کی جائیں گی۔ اردو کی پوری قیمت لی جائیگی
ان کے مصنف منشی گوہر علی شکر کمال صاحبانتر ہیں۔ جن کے مذاق پسند۔
طبیعت کا نمونہ واہ رے میں نامی کتاب میں موجود ہے۔ اور جن کی خدا داد قابلیت
کا قائل ایک زمانہ ہے۔ درخواست جلد بھیجئے۔ دیر نہ لگائو کیونکہ یہ جھٹ پٹا پاک
جانے والی کتابیں ہیں۔ انھوں ہاتھ کل رہی ہیں۔ تیسری کتاب ہمارے ہونہار
طالب علم زیر تربیت کی۔ جو بھی کتاب پڑانا اور نیا فیشن ہوگی۔ اور انھیں
کتاب تہذیب کا چھکڑا۔ دے دیں گے۔

المشہد محاکر داس کھوہریہ ایک دیگر تفریح سادہ و سحرناک چھکڑا۔ لاہور

ناول میگزین کے سلسلے کے ضمیمہ مقبول
 وچسپ پراشر اور میگزین خیز

تجہ تھیں ملک الشعراء
راہبند رانائے بیگم کی چوکی پر ملی
کا ترجمہ قیمت مستقل خریداروں کو ۱۰

رسلی جون
چتر گپتی کے مشہور ناوکا اردو ترجمہ
قیمت مستقل خریداروں کو ۱۰

الحق احمد سہاگہ شری شری نوجا
دیہی جی کو مشہور ناوکا ترجمہ
قیمت مستقل خریداروں کو ۱۰

کیاں گنڈلا - زنہرہ جلاویدہ داسے بہادر بانو بیگم چندر چنئی سی آئی اے کے کپال گنڈلا نامی
بنگالی ناولکار دوت چہتر چنئی گوری شکر لال صاحب اختر قیمت ۲۲ اسٹنڈل خریداروں کو ۱۸

اما مشهوره انتشار دوازده مسأله بکلیه
است که هر روز ناول کار ترجمه بحیثیت غیر
مگر ناول بجزین که مستقل خریدار شود

مرن مئی - کپال کنڈا لکی ٹریڈنگ کمپنی کا کیس کا خاتمہ - نہایت پرسوںہ - وقت اثر
ادریے نظر ناول - قیمت عمر - نگر ناول - یوزین کے مستقل خریداروں سے صرف ۱۲

<p>یہ سلا۔ بنگالی زبان کے ایک مہربانیت و دلچسپ لہجہ کا اردو ترجمہ قیمت ۱۲ ارستقل خریداروں کو</p>	<p>راؤ صاحب رانی بابو بھیم چند پٹوی کے ایک دلچسپ ناول کا اردو ترجمہ قیمت ۸ ارستقل خریداروں کو</p>	<p>محمود مختاری ایک عجیب و غریب ناول کا ترجمہ مینڈیٹر لٹ۔ قیمت ۸ ارستقل خریداروں کو</p>
--	---	---

سپیناسی ایک غریب عورت کی زندگی کا عبرت ناک انجام قیمت ہر مستقل خریداروں کی طرف سے

آزاد ایس لی ہا کچا ناگے شہزادے ناول میگزین - ساڈھو شریٹ - لاہور